پر اسرار تیر
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

محمود، فاروق، فرزانہ اور

انسپکٹر جمشید سیریز 671

اشتیاق احمد

خون

"ہوشیار.... خبردار میری بائیں کلائی پھڑک رہی ہے۔" فاروق نے گویا اعلان کیا۔

"حد ہو گئی.. کلائی نہ ہوئی آنکھ ہو گئی.. یہ تو وہی بات ہوئی... ماروں گھٹنا' پھوٹے آنکھ۔" محمود جھلا اٹھا۔

"یہ ماروں گھٹنا' پھوٹے آنکھ کیسے ہو گئی... میرا خیال ہے... تم نے غلط موقعے پر غلط محاورہ کہا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"پہلے اس سے تو پوچھ لو... اس کی کلائی میں کیا بات ہے... کہیں درد تو نہیں ہو گیا۔" انسپکٹر جمشید نے سڑک پر نظریں جمائے ہوئے کہا... وہ اس وقت کار چلا رہے تھے۔

"جی... جی ہاں... شاید... یہ درد ہی ہے... لیکن... ہے جاسوسی درد۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اماں جاؤ... اب درد بھی جاسوسی ہونے لگے۔" محمود بھنا اٹھا۔

"ابا جان کار روک لیں... میں جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں۔" وہ ایک دم بولے۔

"کہیں تو چلا ہی جاؤں گا... اس لیے کہ محمود نے کہا ہے نا... لماں جاؤ۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"اب یہ اپنی دھت تیرے کی لٹھ لائے... ہے کوئی تک۔"

"فاروق تمہاری بائیں کلائی کب پھڑکتی ہے عام طور۔"

"جب کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آنے والا ہوتا ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں ابا جان... موسم بالکل صاف ہے... دور دور تک کہیں کوئی گڑبڑ نہیں... بلکہ گڑبڑ کے آثار تک نہیں ہیں..." محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں بھئی..... یہ تو ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا اور مسکرائے بھی۔

"کوئی بات نہیں... آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔"

"وہ ابا جان دیکھ رہے ہیں... تم فکر نہ کرو۔" فرزانہ کی شوخ آواز سنائی دی۔

"اس وقت تم میرے لئے لے رہے ہو... جب کوئی جاسوسی موڑ آئے گا... جب میں تمہارے چہروں کی طرف دیکھوں گا... اور خوب آڑے ہاتھوں لوں گا۔"

"توبہ ہے... کیا آج کا دن محاورات کا دن ہے۔" فرزانہ جل گئی۔

"اگر ہے بھی تو تم کیوں جلنے پر ادھار کھائے بیٹھی ہو۔"

"بہت بری بات ہے فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کک... کون سی بات بری ہے ابا جان۔"

"یہی... ادھار کھا بیٹھ جانا۔"

"آپ بھی ابا جان..... فاروق کا ساتھ دینے لگے ہیں۔" فرزانہ کے لہجے میں شکایت تھی۔

"میرا خیال ہے... میں تو باری باری تم تینوں کا ساتھ دے رہا ہوں... لہٰذا کسی کو بھی برا نہیں ماننا چاہیے۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا ابا جان۔" فاروق فوراً بولا۔

"ہم گھر کے نزدیک پہنچنے والے ہیں... اور تمہاری کلائی کا پھڑکنا فیل ہوتا نظر آرہا ہے۔"

"ابھی گھر پہنچنے میں کئی منٹ لگیں گے... اور کئی منٹ میں دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی ہے۔"

"ارے باپ رے... اللہ نہ کرے۔"

"آپ نے غلط ترتیب اختیار کی ابا جان۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"کیا مطلب..."

"پہلے اللہ کا نام لیتے آپ... پھر باپ کا۔"

"درست کہا... میں اپنی ترتیب پر شرمندہ ہوں۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"آپ میں یہ بات بہت اچھی ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"کک... کون سی بات۔" وہ بوکھلا اٹھے۔

"حد ہو گئی ابا جان... اچھی بات میں بوکھلانے والی بات کون سی ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہے... بالکل ہے۔" وہ فوراً بولے۔

"اور وہ کیا؟"

"کہیں میں وہ اچھی بات سن کر پھول نہ جاؤں... غرور میں نہ آجاؤں... اللہ تعالیٰ کو غرور بالکل ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں... یہ غرور، کبریائی تو میرے لیے ہے... بندے کے لیے نہیں ہے... اب جو چیز بندے کے لیے ہے ہی نہیں... ہم وہ اپنے اندر کیوں آنے دیں... لیکن اپنی تعریف سن کر بعض اوقات بندہ پھولا نہیں سماتے اور کچھ غرور کر بیٹھتا ہے... یہ بھی بہت برا ہے۔"

"آپ نے تو اچھی بھلی تقریر کر دی... ویسے یہ تقریر ہے بہت مفید۔"

"شکریہ... لیکن میں فاروق کی وجہ سے پریشان ہوں۔"

"اسے کیا ہوا... اچھا بھلا تو بیٹھا ہے۔"

"وہ... اس کی کلائی۔"

"اوہ ہاں... واقعی... یہ تو ہے... اچھا آپ فکر نہ کریں... ہم دیکھ لیتے ہیں، اس کی کلائی کو۔" محمود نے ہنس کر جواب دیا۔

"کک... کیا مطلب... کیا تم ڈاکٹر ہو کہ میری کلائی کو دیکھ

لو گے..."

"ہم ڈاکٹری لحاظ سے نہیں... ویسے ہی دیکھ لیں گے کلائی کو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"بائیں آنکھ تو پھڑکی نہیں... کلائی پھڑک گئی بھائی صاحب کی... یعنی کوئی تک ہے اس بات میں۔" محمود نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"اب تم سے کون مغز مارے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہم کوئی دم میں گھر تک پہنچنے والے ہیں... دروازہ نظر آرہا ہے... لہٰذا کچھ نہیں ہوا... فاروق تم اپنا سا منہ لے کر رہ جاؤ... تمہارے لیے یہی مشورہ ہے۔"

"حد ہو گئی... ابھی دروازے پر نہیں پہنچے ہم... اور پھر کیا گھر کے اندر کوئی گڑبڑ نہیں ہو سکتی۔" فاروق کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"ہو سکتی ہے... تو پھر یہ گھبراہٹ کیوں سوار ہے۔"

"پپ... پتا نہیں... میں مذاق نہیں کر رہا... میری بائیں کلائی کی رگ کئی بار پھڑک چکی ہے۔"

"بھائی تم گھر جا کر اگاری کس 30 میں لے لینا... یا مگنیشیا فاس 6x میں۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"جی... جی اچھا... اس نسخے کا شکریہ۔"

ایسے میں وہ دروازے کے بالکل نزدیک پہنچ گئے... محمود اور

فرزانہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹیں واضح طور پر پھیل گئیں... جیسے وہ کہہ رہے ہوں۔

"ہاہاہا... آخر فاروق کا اندازہ غلط ثابت ہو گیا۔"

عین اس لمحے کوئی چیز سنسناتی ہوئی ان کی کار کے اوپر سے گزر گئی... اور پھر انہوں نے ٹھک کی آواز سنی۔

"یہ... یہ سنسناہٹ کیسی تھی..." فرزانہ نے مارے خوف کے کہا۔

"اور یہ ٹھک کی آواز کیسی تھی۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"دروازہ اس سوال کا جواب دے گا... جواب دے رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"کک... کون... دروازہ... جواب دے رہا ہے... آپ اس کی آواز سن رہے ہیں۔"

"ہاں! سامنے دیکھو... تم بھی سن لو گے۔"

انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا اور دھک سے رہ گئے... دروازے میں ایک بڑا سا تیر پیوست نظر آ رہا تھا... تیر سلور کے رنگ کا تھا۔

"یہ... یہ تیروں کا زمانہ کہاں سے لوٹ آیا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ابھی کیا ہے... ابھی تو پتھروں کا زمانہ بھی لوٹ کر آتا ہے۔"

"صرف اس تیر کی بات کیوں نہیں کرتے... یہ کہاں سے آیا ہے..."

"اترنے پر ہی اندازہ ہو سکے گا یہ تو۔"

"لیکن کار سے اترنے سے پہلے ہمیں ادھر ادھر کا جائزہ لے لینا چاہیے۔"

انہوں نے آگے پیچھے، اوپر نیچے بغور دیکھا... دور دور تک کسی دشمن کی موجودگی کا احساس نہ ہو سکا۔ آخر وہ کار سے اتر آئے... کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا... نہ کسی کو تیر لگنے کا پتا چلا تھا... اگرچہ گلی میں آمد و رفت جاری تھی... ایسے میں دروازہ کھلا اور بیگم جمشید کی حیرت زدہ آواز سنائی دی...

"یہ... یہ کیا ہوا تھا۔"

"ایک تیر دروازے میں آ کر لگا ہے... تم اندر ہی رہو بیگم۔" انہوں نے کہا... اور دروازہ بند کر دیا۔

تیر کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

"اس میں شک نہیں کہ یہ ہے زبردست تیر۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"اور یہ لکڑی کا نظر نہیں آتا، شاید لوہے کا ہے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"بلکہ سلور کا۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"کیا یہ میں نکال لوں۔" فاروق ایک قدم آگے بڑھا۔

"ابھی نہیں... جس نے یہ تیر چلایا ہے... وہ ہمارا دوست تو نہیں ہو سکتا.. ظاہر ہے.. یہ کسی دشمن کی حرکت ہے... ہو سکتا ہے.. اس پر اس کی انگلیوں کے نشان ہوں... لہٰذا پہلے نشانات اٹھائیں جائیں گے... اس کے بعد کہیں جا کر ہم اس تیر کو نکالیں گے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کو فون کیا... وہ اس وقت تک وہیں کھڑے رہے... جب تک کہ اکرام نشانات اٹھانے کا سامان لے کر نہیں پہنچ گیا... انہوں نے فون پر اسے تیر کے بارے میں نہیں بتایا تھا... لہٰذا وہ چونک کر بولا۔

"آپ... آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔"

"اس کے لیے۔" وہ سامنے سے ہٹ گئے اور تیر کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے باپ رے... یہ... یہ تو تیر ہے۔" اکرام بوکھلا اٹھا۔

"تو ہم نے کب کہا ہے کہ یہ ہاتھی ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"لل... لیکن... یہ کہاں سے گیا۔"

"ہم نہیں جانتے.... معلوم کرنے کی کوشش کریں گے... لیکن سب سے پہلے مرحلہ انگلیوں کے نشانات ہیں..."

"ابھی لیجئے۔" اس نے کہا اور تیر پر پاؤڈر چھڑک کر اس کی تصاویر لینے لگا... چند منٹ بعد اس نے کہا۔

"تیر پر انگلیوں کے نشانات بالکل نہیں ہیں۔"

"گویا تیر پھینکنے والے نے سوچ سمجھ کر تیر پھینکا ہے.. خیر... اب اسے نکال لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ہاتھ تیر کی طرف بڑھائے... پھر انہوں نے اپنے ہاتھ روک لیے۔

"کک... کیا ہوا ابا جان... کیا تیر پر بچھو نظر آگیا ہے۔"

محمود نے گھبرا کر کہا۔

"تیر پر بچھو۔" فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں ہاں... کہہ دو... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

فرزانہ جل گئی۔

"اب کیا کروں گا کہہ کر... تم نے کہہ تو دیا۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"بھئی... تیر کی سمت سے ہمیں پھینکنے کی سمت کا اندازہ ہو سکتا ہے... ہم اس کی سیدھ میں اگر دیکھیں تو بات آسان ہے..." یہ کہہ کر وہ دروازے سے لگ کر کھڑے ہو گئے اور اس کی سیدھ میں دیکھا۔

"مرزا الماس بیگ کے گھر کی سیدھ میں ہے اس کا رخ... گویا تیر ان کے گھر سے چلایا گیا ہے۔"

"دوسرے یہ ابا جان کہ نوک کا رخ نیچے کی طرف ہے اور اس کا پچھلا حصہ اوپر اٹھا ہوا ہے... اس کا مطلب ہے... تیر نیچے سے نہیں اونچائی سے چلایا گیا ہے... یعنی ان کی چھت سے..." فرزانہ نے کہا۔

"بہت خوب فرزانہ... بالکل یہی بات میں کہنا چاہتا تھا..." انہوں نے تعریف کی۔

"تیر چلانے والا ہم میں سے کسی کو اس تیر سے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا... کیونکہ اس نے ہمارے کار سے نکلنے کا انتظار نہیں کیا... ورنہ وہ نہایت آسانی سے ہم میں سے کسی کا نشانہ لے سکتا تھا۔"

"ارے باپ رے۔" وہ بوکھلا اٹھے۔

"محمود نے بھی بالکل درست خیال پیش کیا... وہ ہم میں سے کسی کو تیر کے وار سے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا... بلکہ اس کا مقصد کچھ اور ہے اور وہ کیا... یہ ہمیں دیکھنا ہو گا، لیکن پہلے ہم اس تیر کو نکالیں گے... اکرام تم ذرا مرزا الماس بیگ کے دروازے پر نظریں جمائے رہو... کوئی وہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرے۔"

"یس سر... میں پہلے ہی اس طرف مڑ چکا ہوں۔" اس نے کہا۔

اب انسپکٹر جمشید نے تیر کو پکڑا اور اس کو دروازے سے نکال لینا چاہا... لیکن وہ نہ نکلا۔ انہوں نے اس کو خوب ہلایا... لیکن وہ نہ نکل سکا... اب اور زیادہ زور لگایا... لیکن وہ نہ نکلا۔

"حیرت ہے... کمال ہے... محمود ذرا اپنا چاقو نکالنا۔"

"چاقو کی مدد سے نکالیں گے۔"

"اب اور کیا کیا جائے۔"

"دروازہ اور زیادہ خراب ہو جائے گا۔"

"وہ پہلے ہی ہو چکا... دروازے کی فکر چھوڑو... چاقو نکالو... اس کی مرمت ہو جائے گی۔"

اور پھر انہوں نے چاقو کی مدد سے تیر لگنے کی جگہ کو کھودنا شروع کیا... آس پاس سوراخ بنتا چلا گیا... تب کہیں جا کر تیر نکلا... اس کا پھل بہت باریک تھا... شاید اسی لیے دروازے میں اندر تک دھنستا چلا گیا تھا...

"تیر کو اندر رکھ آؤ... ہم ذرا مرزا الماس بیگ کی طرف چلتے ہیں... اکرام تم بھی آؤ۔"

"یس سر۔" اس نے کہا۔

مرزا الماس بیگ ان کے بہت پرانے پڑوسی تھے... وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتے تھے۔ گلی اندر سے ایک احاطے کی شکل کی تھی... اس طرح دونوں گھروں میں کافی درمیانی فاصلہ تھا۔ وہ ان کے دروازے پر پہنچ گئے... دروازہ بند تھا' محمود نے دستک دی... ایک منٹ بعد دروازہ کھلا۔

"اوہو! آپ لوگ ہیں... آئیے... تشریف لائیے۔"

"آپ کے گھر میں خیریت تو ہے۔"

"جی... کیا مطلب۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرا مطلب ہے... آپ کے گھر کے اندر کسی قسم کی کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں... ہم ہر طرح خیریت سے ہیں... آپ کو یہ

گمان کیسے گزرا کہ ہمارے گھر میں کوئی گڑبڑ ہے۔"

"آپ کے گھر سے ہمارے دروازے پر ایک تیر چلایا گیا ہے۔"

"جی... کیا کہا... تیر۔" ان کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں۔

"ہاں جناب تیر..."

"یہ تو آپ نے بہت عجیب بات کہہ دی... اول تو آج کل تیر کا زمانہ نہیں... پھر ہم تو پرانے پڑوسی ہیں... میں کیوں تیر چلاتا آپ کے دروازے پر... یہ ضرور کسی اور کا کام ہے... لیکن ایسا کرنے سے اس کا مقصد کیا ہے۔"

"اس پر ہم غور کر رہے ہیں... آپ فکر نہ کریں... لیکن تیر کی سمت واضح طور پر بتاتی ہے کہ وہ آپ کے گھر کے علاوہ اور کہیں سے نہیں چلایا گیا... اس پر ہم سب کا اتفاق ہے اور سو فیصد یقین سے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں۔"

"ارے باپ رے... آپ تو بنا دیں گے مجھے مجرم۔"

"جی نہیں... آپ ہمارے پڑوسی ہیں... ہم آپ کا احترام کرتے ہیں... آپ کو بلاوجہ پریشان نہیں کرنا چاہتے... لیکن ہم مجبور ہیں۔"

"لیکن... کیا مطلب...؟" انہوں نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں... ہمیں آپ کے گھر کی تلاشی بہر حال لینا پڑے گی۔"

"اوہ اچھا... یہ بات ہے... تو ضرور لیں آپ تلاشی... مجھے وئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"شکریہ جناب۔"

"ایک منٹ جناب! میں ذرا پردہ کرا لوں۔"

"ہاں ضرور۔" انہوں نے کہا۔

مرزا الماس بیگ اندر چلے گئے... دو منٹ بعد واپس آئے۔

"گھر کی عورتیں ایک کمرے میں چلی گئی... آپ پہلے پورا ر دیکھ لیں... پھر ہم وہ کمرہ دکھا دیں گے۔"

"ایسا کرنے کی بھی ضرورت نہیں... فرزانہ اس کمرے کو س ساتھ ہی دیکھ لے گی۔"

"ٹھیک ہے... ایسا کر لیں۔"

اب وہ اندر داخل ہو گئے... فرزانہ عورتوں والے کمرے یں داخل ہوئی... باقی لوگ پورے گھر کی تلاشی لینے لگے... فرزانہ کو اندر ایک اجنبی غیر ملکی عورت نظر آئی... وہ ان کے گھر میں بہت رتبہ آئی تھی... اسے گھر کے افراد کا پتا تھا... لہٰذا اس نے ان سے وچھا۔

"یہ کون ہیں۔"

"ہماری مہمان ہیں۔"

"کہاں سے آئی ہیں... آپ کی کیا لگتی ہیں۔"

"لگتی کچھ نہیں... میری ان سے قلمی دوستی ہے... برٹائن

میں رہتی ہیں... ایک رسالے میں میرا نام قلمی دوستی کے کالم میں چھپا تو انہوں نے مجھے خط لکھا... اس طرح ہماری دوستی ہو گئی... کچھ دن پہلے ان کا پروگرام ہمارے ملک کی سیر کا بنا تو انہوں نے مجھے یہ خبر سنائی... میں نے خود ان سے درخواست کی تھی کہ یہ کچھ دن ہمارے ہاں بھی گزاریں... چنانچہ انہوں نے درخواست منظور کر لی... اور اب یہ یہاں موجود ہیں.... تین دن اور ٹھہریں گی.... پھر چلی جائیں گی۔"

"ہوں...... آپ کا نام محترمہ۔" فرزانہ نے انگریزی میں پوچھا۔

"جولی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"وہ تیر آپ نے چلایا تھا..."

"کک... کون سا تیر..." اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ نے اس گھر کی چھت سے سامنے کی طرف کوئی تیر چلایا۔"

"میں نہیں سمجھی... آپ کیا کہہ رہی ہیں... بھلا مجھے کیا ضرورت تھی تیر چلانے کی۔" اس نے انگریزی میں کہا۔

"ہوں... خیر... آپ برٹائن سے آئی ہیں۔"

"ہیں۔" وہ بولی۔

"آپ اپنا برٹائن کا پتا لکھوا دیں۔"

"کک... کیوں... اس کی کیا ضرورت ہے آخر۔"

"فرزانہ آپ بلاوجہ ان پر شک کر رہی ہیں... یہ تو صبح سے اب تک چھت پر گئی ہی نہیں۔"

"کیا آپ یہ بات پورے یقین سے کہہ رہی ہیں۔"

"ہاں! بالکل۔"

"اور آپ تمام وقت ان کے ساتھ رہی ہیں۔"

"ہاں! بالکل۔"

"اچھا شکریہ مجھے ان کے سامان کی تلاشی لینے دیں۔"

"کیا یہ مناسب ہوگا۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"ہمیں اپنا شک دور کرنا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"میں آپ کو یقین دلا رہی ہوں۔" مسز الماس بولیں۔

"اس سے کام نہیں چلے گا... اس لیے کہ یہ ایک غیر ملکی عورت ہیں... آپ کی صرف قلمی دوست ہیں۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"گویا آپ کے نزدیک یہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔" بیگم الماس نے جھلا کر کہا۔

"یہ بات نہیں... ہم صرف اپنا شک دور کرنا چاہتے ہیں... شک دور ہونے پر یہ ہمارے لیے قابل اعتبار ہی قابل اعتبار ہوں گی۔"

"کیا آپ کو تلاشی دینے پر کوئی اعتراض ہے۔"

"بالکل نہیں! جب میں نے کوئی جرم نہیں کیا تو میں کیوں اعتراض کروں... میں انہیں اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے جاتی

ہوں... وہاں اپنی ایک ایک چیز دکھا دیتی ہوں۔"

"میں آپ سے معافی چاہتی ہوں... آپ کو یہ پریشانی بلاوجہ اٹھانا پڑ رہی ہے۔" بیگم الماس بیگ بولیں۔

"کوئی بات نہیں... اس میں آپ کا کیا قصور۔"

اب فرزانہ نے دروازہ کھولا... اور اس کے ساتھ باہر نکل آئی... ایسے میں ایک کمرے سے انسپکٹر جمشید نکلتے نظر آئے... فرزانہ کو ان کے چہرے پر شدید حیرت نظر آئی...

ادھر ان کی نظریں انگریز عورت پر پڑیں تو وہ اور زور سے اچھلے... اب ان کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ بے پناہ خوف بھی شامل ہو چکا تھا۔

خیر نہیں

"میں آپ کی آنکھوں میں شدید حیرت دیکھ رہی ہوں اور بے پناہ خوف بھی۔"

"ہاں! آؤ چلیں۔" انہوں نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا فرمایا آپ نے... آؤ چلیں۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے... آؤ چلیں... محمود اور فاروق کو بھی آواز دو..."

"لیکن ابا جان! ابھی تلاشی کا کام مکمل نہیں ہوا... آپ ان کی طرف دیکھئے... یہ ایک غیر ملکی خاتون ہیں... بیگم الماس کی قلمی دوست ہیں... میں ان کے سامان کی تلاشی لینے جا رہی ہوں۔"

"نہیں... اس وقت نہیں... اس وقت ہمیں فوری طور پر جانا ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے اور ان دونوں کو آواز دی۔

دونوں فوراً ایک کمرے سے نکل کر ان کے نزدیک آ گئے۔

"ہمیں یہاں سے رخصت ہونا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"بات ابا جان پھر بتائیں گے... آؤ چلیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"آؤ چلیں۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں محمود... آؤ چلیں۔"

وہ حیرت زدہ سے باہر چلے... راستے میں انہیں مرزا الماس بیگ صحن میں بیٹھے نظر آئے ان کے چہرے پر شدید بے زاری تھی...

"اوہ آپ آگئے... کچھ نہیں ملا نا۔"

"نہیں... بالکل کچھ نہیں... ہم نے آپ کو بلاوجہ ہی زحمت دی۔"

"کک... کوئی بات نہیں... آپ تو ہمارے ویسے بھی پڑوسی ہیں... قانون کی مدد کرنا تو ہر شہری کی ذمے داری ہے... میں ہر طرح حاضر ہوں۔"

"شکریہ... شکریہ۔" وہ بولے۔

وہ باہر نکل آئے اور چپ چاپ اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگے... گھر میں داخل ہونے تک وہ خاموش رہے... جونہی انہوں نے دروازہ اندر سے بند کیا... فرزانہ بول اٹھی۔

"یہ کیا ہوا ابا جان۔"

"کس بارے میں پوچھ رہی ہو۔" وہ مسکرائے۔

"ارے... وہ آپ کا خوف کہاں گیا۔" فرزانہ نے بوکھلا کر پوچھا۔

"وہ خوف اس گھر تک تھا... یہاں محسوس نہیں ہو رہا۔"

"آپ کو اس طرح خوفزدہ ہوتے، زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔"

"میں بھی انسان ہوں۔"

"آخر آپ کو اس کمرے میں کیا نظر آیا۔"

"ایک لاش۔"

"کیا... لاش۔" وہ چلائے۔

"ہاں! لاش... لیکن وہ عام جگہ موجود نہیں تھی... لاش کو اس طرح چھپایا گیا ہے کہ کسی اور کو تو وہ نظر بھی نہیں آسکتی تھی اور لاش الماس بیگ کی تھی۔"

"نن نہیں..." وہ چلائے۔

"اور ان کی بیگم کو بھی۔"

"کیا... کیا کہا... ان کی بیگم بھی قتل ہو چکی ہیں۔"

"ہاں! بالکل۔"

"لیکن ہم نے تو وہاں مرزا صاحب اور ان کی بیگم کو زندہ سلامت دیکھا ہے۔"

"وہ ان کے میک اپ میں کوئی اور ہیں۔"

"اور وہ انگریز عورت۔"

"اس کے بارے میں ابھی ہمیں معلوم کرنا ہے..."

"لیکن آپ اس قدر بدحواس ہو کر وہاں سے نکل کیوں

آئے۔"

"جس نے ان دونوں کو قتل کیا ہے... وہ کوئی معمولی قا
نہیں ہے... بہت ماہر سفاک قاتل ہے... اور وہ ہماری بھی تاک میں
تھا... اس لیے میں نے وہاں سے نکلنے کی کی... کیونکہ وہ کس جگہ موجو
ہے... یہ ہمیں معلوم نہیں... گویا اس وقت گھر میں چار افراد ہیں...
وہ نقلی مرزا الماس، بیگم الماس... ایک انگریز عورت اور دوسرا وہ چھ
ہوا شخص۔"

"اور دونوں لاشیں کہاں ہیں۔"

"لاشوں کو انہوں نے قالین میں لپیٹ دیا ہے... جیسے صفا
کی غرض سے قالین کو لپیٹ کر ایک طرف کر دیا گیا ہو۔"

"اوہ... نن نہیں۔" وہ کانپ گئے۔

"کیوں... اب تم بھی خوف محسوس کر رہے ہو یا نہیں۔"

"ب... بالکل کر رہے ہیں۔"

اب انہوں نے اکرام کو فون کیا... فوراً حرکت میں آنے کی
ہدایات دیں۔ جلد ہی اس گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا...

"اس گھر میں جتنے افراد بھی موجود ہیں وہ فوراً کمرے سے باہ
آجائیں... اور اس طرح آئیں کہ ہاتھ سر سے اوپر اٹھے ہوئے ہوں...
اگر پانچ منٹ کے اندر وہ باہر نہ آئے تو پھر اس گھر پر باقاعدہ حملہ کر د
جائے گا۔"

یہ اعلان سپیکر پر کیا گیا تھا... آس پاس کے لوگوں نے بھی

اس اعلان کو سنا... انہیں بہت حیرت ہوئی کہ ان کے ساتھ والے
میں ایسا کیا واقعہ ہو گیا ہے کہ اس کے رہنے والوں کو باہر نکلنے کا حکم
جا رہا ہے... لوگ کھڑکیوں اور چھتوں سے نظارہ دیکھنے لگے۔ یہ دیکھ
انسپکٹر جمشید نے سپیکر پر کہا۔

"تمام حضرات اپنے اپنے گھروں تک رہیں... اس وقت ا
میں چار خطرناک ترین لوگ موجود ہیں... انہوں نے مرزا الما
بیگ اور ان کی بیگم کو قتل کر دیا ہے... باہر نکلتے وقت وہ کچھ بھی کر
ہیں۔"

"کیا... نہیں۔" بہت سے لوگ چلا اٹھے اور پھر خوفزد
کر اندر کی طرف ہو گئے۔

پانچ منٹ گزر گئے... کوئی باہر نہ نکلا۔

"اکرام... یہ لوگ اس طرح نہیں نکلیں گے... ایک
دستی بم مارو... جو اس گھر کو بس ہلا کر رکھ دے..."

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا اور اپنے ایک ماتحت کو ہدا
دی... اس نے بم مارا، بم پھٹا... وہ گھر لرز کر رہ گیا۔

"ہم نے جان بوجھ کر ہلکا بم مارا ہے... اگر اب بھی تم لوگ
باہر نہ نکلے تو ہم اس گھر کو تباہ کر دیں گے اور تم اس میں دفن ہو
گے۔"

"لیکن ابا جان... میرا خیال ہے... وہ چاروں جا چکے ہیں
اب گھر میں صرف دو لاشیں ملیں گی۔" ایسے میں فرزانہ نے کہا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو... ہم نے برابر اس گھر پر نظر رکھی ہے۔"

"ہمارے نکلتے ہی وہ چھت پر چڑھے ہوں گے... اس چھت ے فاروقی صاحب کی چھت پر اترا جا سکتا ہے... اور وہاں سے خالد احب کی چھت پر... خالد صاحب کا ایک دروازہ دوسری سڑک پر تا ہے... وہ اس سے نکل گئے ہوں گے۔"

"تب پھر اب تک یہ بات خالد صاحب کو بتا دینی چاہیے ی۔"

"ہو سکتا ہے... وہ اس قابل نہ ہوں۔"

"اوہ... آؤ دیکھیں۔"

وہ فوراً خالد صاحب کے دروازے پر پہنچے... دروازہ اندر سے ، تھا... محمود نے زور دار انداز میں دستک دی... لیکن کئی بار دستک ینے کے بعد بھی دروازہ نہ کھلا... اب تو وہ پریشان ہو گئے... آخر سپکٹر جمشید پیچھے ہٹے' دوڑ کر دروازے تک آئے اور زور دار انداز میں روازے کو ٹکر دے ماری... دروازے کے قبضے اکھڑ گئے... وہ وسری طرف جا گرے... اب وہ پستول ہاتھوں میں لیے اندر داخل وئے... خالد صاحب اور ان کے بیوی بچے بندھے نظر آئے... ان ، منہ بھی بند تھے... گویا چاروں مجرم فرار ہو چکے تھے اور وہ صرف ہر بیٹ رہے تھے... چنانچہ ان لوگوں کو کھول کر وہ باہر آ گئے... اب ب لوگ مرزا الماس کے گھر میں داخل ہوئے... قالین کو الٹا کر

لاشیں سامنے کی گئیں...

وہ کانپ گئے... ظالموں نے خنجروں کے وار کر کے انہیں ختم کیا تھا...

"اف مالک... ہمارے محلّے میں اس قدر ظالمانہ واردات ہو گئی اور ہمیں کانوں کان پتا نہ چلا۔"

"اس میں ہمارا کیا قصور ابا جان... ان کی پلاننگ تو نہ جانے کب سے تھی... اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تیر بھی ان لوگوں نے چلایا تھا... یہ واردات کر کے اور تیر چلا کر وہ اعلان جنگ کر گئے ہیں۔"

"آخر یہ کون لوگ ہیں... جو اس قدر جرأت کے ساتھ اعلان جنگ کر کے گئے ہیں۔"

"یہی تو دیکھنا ہے... اکرام... بہت احتیاط سے انگلیوں کے نشانات اٹھانا ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں سر۔"

ہر کام احتیاط سے کیا گیا... پھر لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دی گئیں... گھر کی بہت سی چیزوں سے انہیں انگلیوں کے نشانات مل گئے... اور بھی کئی چیزیں ملیں... ان میں ایک سگریٹ کا ڈبہ... ایک تمباکو پینے کا پائپ... بھی ان کے ہاتھ لگے۔

"گویا وہ دو مرد ہیں اور دو عورتیں... اور ہمارے خلاف کوئی منصوبہ لے کر آئے ہیں... اسی لیے تو انہوں نے ہمارے دروازے پر تیر مارا ہے... تیر چلانا بھی ایک طرح سے اعلان جنگ ہوتا ہے...

لیکن... سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں... کیا چاہتے ہیں... بے چارے الماس بیگ اور اس کی بیوی کو ہلاک کرنے کی کیا ضرورت تھی... اگر اعلان جنگ ہمارے خلاف کرنا تھا تو انہیں ہلاک کیے بغیر بھی کیا جا سکتا تھا..."

"معاملہ کافی سنگین ہے... جس کے شروع میں ہی دو لاشوں سے واسطہ پڑ گیا ہے... اس کا مطلب ہے... یہ لوگ خون بہانے سے ذرا پرہیز نہیں کرتے... خطرناک لوگ ہیں... اور غیر ملکی ہیں... ان لوگوں کو جلد از جلد گرفتار کرنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہو گا۔"

"لیکن کیسے... ہمارے پاس ان کی انگلیوں کے نشانات ہیں... سگریٹ کا ایک ڈبہ ہے... یا پھر تمباکو پینے کا ایک پائپ... اور وہ اس وقت تک نہ جانے کہاں کے کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"تم ایک اہم چیز بھول رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور وہ کیا ابا جان۔"

"تیر۔" وہ فوراً بولے۔

"مم... وہ تیر کہاں ہے۔"

"آپ ہی کی الماری میں رکھ دیا تھا میں نے اس وقت۔"

محمود اٹھا اور الماری سے تیر نکال لایا... انہوں نے اس کو الٹا پلٹا کر دیکھا... اچانک انسپکٹر جمشید کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

"محمود... ذرا اپنا چاقو دینا۔"

"جی... جی کیا مطلب... آپ چاقو سے کیا کریں گے۔"

محمود گھبرا گیا۔

"اوہو... تم چاقو تو دو۔" انہوں نے منہ بنایا۔

چاقو لے کر انہوں نے اس سے تیر پر خراش ڈالی... ایک بار پھر انہوں نے ان کے چہرے پر حیرت کی جھلکیاں دیکھیں۔

ایسے میں انہوں نے جلدی جلدی فون کے نمبر ملائے... اور سلسلہ ملنے پر خوفزدہ انداز میں بولے۔

"پروفیسر صاحب... فوراً آجائیں۔"

"جمشید... خیر تو ہے۔"

"نہیں... آپ جلد از جلد آجائیں۔" انہوں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

خط

انھوں نے حیران ہو کر اس تیر کو الٹا کر غور سے دیکھا۔ اس خراش کو بھی دیکھا... لیکن کوئی عجیب بات نظر نہ آئی... ان کی نظریں اپنے والد پر جم گئیں۔

"آپ حد درجے حیران ہیں... خوفزدہ ہیں... اور ہم بالکل نہیں سمجھ سکے کہ کیوں..."

"پپ... پروفیسر صاحب۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"جی... کیا مطلب... کیا اس تیر سے پروفیسر انکل کا کوئی تعلق ہے۔"

"نن نہیں... وہ آکر بتائیں گے کہ یہ کیا چیز ہے۔"

"یہ تو صاف نظر آرہا ہے کہ یہ تیر ہے۔"

"یہ تیر ضرور ہے... لیکن کیسا تیر ہے... تم نہیں جان سکو گے۔"

"اور کیا آپ جان چکے ہیں؟"

"نہیں... لیکن میں نے ایک اندازہ ضرور لگایا ہے۔"

"چلئے آپ اپنا اندازہ ہی بتا دیں۔"

"نہیں بتاؤں گا... پروفیسر صاحب آکر بتائیں گے۔"

"اندازہ آپ کا اور بتائیں گے وہ۔" فرزانہ بوکھلا کر بولی۔

"ہاں! کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"اچھی بات ہے... ہم مجبور ہیں... لہٰذا انتظار کر لیتے ہیں" فاروق بے چارگی کے عالم میں بولا۔

وہ مسکرا دیے... انھوں نے اور زیادہ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا... کیونکہ انھوں نے صاف محسوس کیا تھا کہ یہ مسکراہٹ چہرے پر بہت زبردستی لائی گئی تھی...

"آپ ہمیں خوفزدہ کیے دے رہے ہیں۔"

"ہاں! تمہیں چاہیے کہ خوفزدہ ہو جاؤ۔"

"گویا آج آپ ہمیں خوفزدہ ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"یہی بات ہے۔"

"آپ بھی ہمیں کیسی کیسی دعوتیں دیتے ہیں... کبھی فکر کی دعوت.... کبھی خوف کی دعوت.... اور کبھی جاسوسی دعوت۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اگر تم کھانے پینے کی چیزوں کی دعوت چاہتے ہو تو وہ انتظام بھی کر دوں گا... لیکن اس وقت نہیں' اس وقت خوف کی دعوت ہی ٹھیک ہے۔"

"چلو یونہی... پھر ہو جاؤ خوف زدہ..." فاروق بولا۔

اور ان تینوں کے چہروں پر بھی خوف نظر آنے لگا۔

"حد ہو گئی... ہے کوئی تک..." بیگم جمشید کی آواز ابھری... وں نے چونک کر سر اٹھائے... وہ چائے کی ٹرے ہاتھوں میں لیے ی تھیں۔

"اوہ... اچھا... ٹھیک ہے... رکھ دو ٹرے۔"

"لیکن آپ لوگوں کو ہوا کیا۔"

"ہمیں خوف ہو گیا ہے امی جان۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"خوف... کس چیز کا خوف۔"

"اس تیر کا۔"

"لائیے... میں اس کو اٹھا کر باہر پھینک دوں... نہ ہو گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔" انہوں نے تیر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں بیگم... ہر گز نہیں... یہ تیر... کوئی خاص چیز ہے۔"

"اور یہ بات پروفیسر صاحب آکر بتائیں گے کہ یہ کیا خاص ہے۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"آپ کی آپ ہی جانیں... اور جانے تو ٹھینگا باجے۔"

"حد ہو گئی... امی جان... کیا اب آپ بھی محاورات کی مٹی کریں گی۔"

"غلط... بالکل غلط..." وہ پکار اٹھیں۔

"کیا غلط... بالکل غلط۔"

"محاورات کی مٹی ہی نہیں ہوتی... تو پلید کیسے ہو گی۔"

"ہائیں... یہ محاورات بے مٹی ہوتے ہیں... پاگل کہیں کے۔" فاروق نے ہانک لگائی۔

"کک... کون۔" انسپکٹر جمشید بے خیالی کے عالم میں بولے... وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب چکے تھے...

"جی... محاورات۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہائیں کیا کہا... پاگل محاورات۔"

عین اس لمحے دروازے کی گھنٹی بجی...

"یہ... یہ پروفیسر صاحب اس قدر جلد کیسے آگئے..."

"انداز ان جیسا ضرور ہے... ان کا نہیں... گویا تیر پھینکنے والوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہم اس تیر کو چیک کرانے کے لیے پروفیسر صاحب کو بلائیں گے... اور انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو پروفیسر صاحب کی جگہ بھیج دیا ہے... اصل پروفیسر بعد میں آئیں گے۔"

"اوہ اچھا... خیر... محمود... تم دیکھ لو ذرا..." انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"اور اگر دروازے پر کوئی دشمن ہوا تو۔"

"اسے بہت احترام سے اندر لانا... ہم اسے چائے پیش کریں گے۔"

"حد ہو گئی... چائے پیش کریں گے... اپنے دشمن کو۔"

"ہاں اس لیے کہ مہمان مہمان ہوتا ہے... چاہے دشمن ہی

کیوں نہ ہو۔" وہ بولے۔

"گویا دشمن مہمان۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

ادھر محمود دروازے پر پہنچا۔

"جی... کون صاحب ہیں۔" ساتھ ہی اس نے میجک آئی سے باہر جھانکا۔

باہر اسے ایک سیدھا سادھا سا نوجوان کھڑا نظر آیا۔

"جی میں ہوں... فاضل۔"

"کیا کہا آپ نے فاضل..." وہ فاضل پرزہ کہتے کہتے رک گیا.. کیونکہ کسی کے نام کا مذاق اڑانا بری بات ہے... لیکن نہ جانے کیا بات تھی... فاضل لفظ کے ساتھ اسے پرزہ ضرور یاد آتا تھا۔

"ہاں فاضل... فاضل خیام۔"

"اب آپ نے اپنا پورا نام لیا ہے... کیا بات ہے۔"

"کیا آپ دروازہ نہیں کھولیں گے۔"

"اگر آپ کہتے ہیں... تو کھول دیتا ہوں..."

اس نے کہا اور دروازہ کھول دیا... اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ انسپکٹر جمشید کا گھر ہے نا۔"

"جی ہاں... بالکل۔"

"یہ آپ کے نام ایک پیغام ہے اور بس... مجھے تو آپ لوگوں تک یہ پیغام پہنچانا تھا۔" یہ کہہ کر وہ لگا مڑنے۔

"ایک منٹ جناب! پہلے میں یہ دیکھ لوں کہ یہ خط ہے یا کوئی اور چیز۔"

"جی... کیا مطلب... یہ خط نہیں تو اور کیا ہے..." اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ آپ کو کس نے دیا ہے۔"

"ایک راہ گیر نے... وہ ذرا جلدی میں تھے... مجھے کہنے لگے... کیا آپ میرا ایک چھوٹا سا کام کر دیں گے۔ یہ خط انسپکٹر جمشید کو پہنچا دیں... میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں... گاڑی نکل جائے گی میری۔"

"کک... کون سی گاڑی۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔

"ہم... مجھے کیا معلوم... وہ کون سی گاڑی پکڑنا چاہتے تھے..." اس نے منہ بنایا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں... لیکن آپ کو ایک منٹ کے لیے ٹھہرنا ہوگا آپ کو پتا ہی ہے... آج کل کس قدر خوفناک واقعات پیش آرہے ہیں... بموں کے دھماکے ہو رہے ہیں۔"

"اب ایک خط سے تو بم دھماکا ہونے سے رہا۔"

"خطوط کے ذریعے بھی بم دھماکے ہو رہے ہیں۔"

"کیا... کیا واقعی۔" اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

اس وقت تک محمود خط کھول چکا تھا... جونہی اس نے اس

میں سے کاغذ نکالا' اس کے منہ سے مارے حیرت کے ایک چیخ نکل گئی... خط لانے والا گھبرا گیا... ادھر انسپکٹر جمشید' فاروق' فرزانہ اور بیگم جمشید دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

انہوں نے دیکھا... محمود دروازے پر بے ہوش پڑا تھا اور خط لانے والا بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا... آخر اس کے منہ سے نکلا۔

"اف مالک... یہ کیا ہوا؟"

"محمود... محمود... کیا ہو گیا ہے بھئی۔" انسپکٹر جمشید اس پر جھک گئے۔

وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا... انہوں نے فوراً پستول نکال لیا...

"خبردار... ہاتھ اٹھا دو۔"

"ارے باپ رے... م... میرا اس میں کیا قصور... راستا چلتے ایک شخص نے یہ خط مجھے دیا تھا کہ اسے انسپکٹر جمشید کے گھر پہنچا دو... گھر یہاں سے نزدیک ہی ہے... لیکن وہ جلدی میں ہیں اور انہیں گاڑی پکڑنا ہے' میں نے خط ان سے لے لیا اور ادھر آ گیا... انہوں نے خط میرے ہاتھ سے لیا اور اس کو کھولا۔ لفافے میں سے کاغذ نکالا ہی تھا کہ چیخ کر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔" اس نے بلا کی تیزی سے کہا۔

"اگر بات صرف اتنی ہے... تو آپ کو ہم نہیں روکیں گے... فی الحال ذرا اطمینان کرنا ہے ہمیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے کاغذ اٹھا لیا... جونہی اس پر ان کی نظریں پڑیں... وہ زور سے اچھلے...

"ارے باپ رے... آخر اس کاغذ پر کیا ہے۔" بیگم جمشید کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"نوجوان... آپ اندر آ جائیں۔" انہوں نے پستول سے اسے اشارہ کیا۔

"دیکھیے جناب! مجھے تو آپ بلاوجہ ہی پریشان کر رہے ہیں۔"

"اگر آپ کا اس خط سے کوئی تعلق نہ ہوا تو ہم آپ کو احترام کے ساتھ رخصت کریں گے اور آپ سے معافی مانگیں گے۔"

"لیکن یہ میری ڈیوٹی کا وقت ہے..."

"شام کے وقت۔"

"ہاں جی... میں ایک کارخانے میں کام کرتا ہوں... شام سے رات تک کی ڈیوٹی ہے میری۔"

"آپ کے پاس کارخانے کا کارڈ تو ہو گا۔"

"بالکل ہے۔"

"چلیے وہ دکھا دیں۔"

اس نے جیب سے کارڈ نکال کر انہیں دیا... انہوں نے غور سے کارڈ کو دیکھا اور بولے۔

"ٹھیک ہے... آپ جائیں... آپ کا شکریہ۔"

"شکریہ آپ کا... میں تو پریشان ہو گیا تھا۔"

"آیندہ کوئی ایسی چیز کہیں پہنچانے کے لیے کہے تو ایسا کام
ہرگز نہ کریں... آج کل بہت چکر چل رہے ہیں۔"

"جی بہت بہتر۔" اس نے خوش ہو کر کہا اور تیز تیز قدم
اٹھاتا چلا گیا۔

ایسے میں انہوں نے پروفیسر داؤد کی کار آتے دیکھی... ان
کے ساتھ اگلی سیٹ پر خان رحمان بھی تھے... انہوں نے بھی انہیں
دروازے پر دیکھ لیا...

اس وقت تک محمود ہوش میں آ چکا تھا اور اٹھ کر بیٹھ چکا تھا...
وہ بول اٹھا:

"مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

"یہ تو ہم تم سے پوچھنے والے تھے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم نے وہ خط کھولا تھا..."

"ارے باپ رے... اس پر لکھا ہے... آج انسپکٹر جمشید دنیا
سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"نن نہیں تو... یہ تو نہیں لکھا ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید
چلائے۔

"کیا... کیا مطلب۔"

محمود بری طرح اچھلا... انسپکٹر جمشید نے کھوئے کھوئے انداز
میں خط پر ایک نظر ڈالی اور پھر اس کو فرزانہ کی طرف بڑھا دیا...

ساتھ ہی انہوں نے فرزانہ کی چیخ سنی۔

کیا

"کیا ہوا بھئی... یہاں کیا ہو رہا ہے... تم سب دروازے پر
کیوں جمع ہو۔"

"آئیے... جلدی سے اندر آ جائیے......" انسپکٹر جمشید نے
بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد صاحب اندر آ گئے... انہوں
نے دروازہ بند کر لیا۔

"اب بتاؤ... کیا ہوا ہے۔"

"یہ پوچھیں انکل... کیا نہیں ہوا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"چلو پھر پہلے یہ بتا دو... کیا نہیں ہوا۔" انہوں نے برا سا منہ
بنایا۔

"یہ... یہ دیکھیے۔" انسپکٹر جمشید نے خط ان کے سامنے
کر دیا۔

جونہی انہوں نے خط پر لکھی تحریر پڑھی... بہت زور سے
چلائے۔

"ارے باپ رے۔"

"دیکھا آپ نے... آپ بھی چیخ اٹھے۔"

"اس.. اس پر لکھا ہے۔ آج شام خان رحمان دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"نن نہیں۔" خان رحمان اچھلے اور جلدی سے خط ان کے ہاتھ سے لے لیا... انہوں نے یہ خط دیکھا تو وہ بھی بری طرح اچھلے۔

"ارے باپ رے... اس پر تو لکھا ہے... آج شام پروفیسر داؤد اس دنیا میں نہیں ہوں گے۔"

"ہاہاہا..." انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"اف خدا... یہ کیا ہو رہا ہے... آپ... آپ خود کو قابو میں رکھیے۔" بیگم جمشید چلا اٹھیں۔

"گھبراؤ نہیں بیگم...... میں پاگل نہیں ہوا..... بالکل ٹھیک ہوں... یہ خط دراصل ایک مذاق ہے۔"

"مذاق... کیا مطلب..."

"تم نے ایسی تصاویر دیکھی ہوں گی... کہ انہیں ایک رخ سے دیکھا جائے تو ایک تصویر نظر آتی ہے... ذرا سا ترچھا کر کے دیکھا جائے تو دوسری تصویر اس جگہ دکھائی دیتی ہے۔"

"ہاں ہاں... بالکل۔"

"بس یہ خط ایسے ہی کاغذ پر ہے... اس پر جس رخ سے دیکھیں گے... ہم میں سے کسی کا نام لکھا نظر آئے گا اور آگے وہ جملہ آج شام یہ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"اوہ... اوہ... ہاں جمشید... تم بالکل درست سمجھے... یہ کاغذ بالکل ویسا ہی ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ یہ آیا کہاں سے ہے۔"

"اس پر بات بعد میں کریں گے... پہلے ذرا آپ اس تیر کو دیکھیے۔"

"کیا کہا... تت تیر۔" پروفیسر گھبرا گئے۔

"کیوں... آپ کو کیا ہوا' گھبرا کیوں گئے؟" انسپکٹر جمشید نے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے... یہ زمانہ تیر تلوار کا کہاں رہا... اب تو کلاشن کوفوں' توپوں' ٹینکوں' مارٹر گنوں اور راکٹ لانچروں کا زمانہ ہے..."

"ہاں... یہ ٹھیک ہے... لیکن آپ جانتے ہیں... زمانہ پھر واپس پلٹے گا... ایک بار پھر تیر اور تلوار کا زمانہ آئے گا... یہ جدید اسلحہ بالکل ختم ہو جائے گا۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے... وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی احادیث ہیں... ان سے یہی بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو وہ دجال کو قتل کریں گے اور اپنے حربے کی انی پر اس کا لگا ہوا خون لوگوں کو دکھائیں گے اور فرمائیں گے... لوگوں فکر نہ کرو... میں نے دجال کو قتل کر دیا ہے... اب جو یہ ذکر حربے کا ہے... اور اس کی نوک پر لگا ہوا

خون دکھانے کا ذکر ہے تو اس کا مطلب ہے... اس وقت زمانہ رائفلوں کا نہیں ہوگا... ورنہ حربے کا ذکر نہ ہوتا..." پروفیسر صاحب کہتے چلے گئے۔

"بالکل! میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا... خیر... اب بات ہو جائے اس تیر کی... آپ ذرا مہربانی فرما کر اس کو غور سے دیکھیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

انہوں نے تیر اٹھا لیا اور اس کو غور سے دیکھنے لگے... پھر ان کی نظر جونہی اس خراش پر پڑی... جو چاقو سے لگی تھی... وہ زور سے اچھلے۔

"ارے... یہ... کیا۔"

"کک... کیا ہوا۔"

"اوہ... اوہ... ہم سب خطرے میں ہیں... فوراً اس تیر کو باہر پھینک دو۔"

"جی... باہر پھینک دیں... لیکن اس سے کیا ہوگا... باہر بھی تو انسان آ جا رہے ہیں۔"

"ہاں... واقعی... اس کو تو دریا یا سمندر میں پھینکنا ہوگا... ورنہ یہ ہمیں لے بیٹھے گا۔"

"تو پھر آپ پہلے اسے تجربہ گاہ میں لے چلیں... وہاں اس کا تجربہ ہونا چاہیے... کیا ہمیں فوری طور پر اس سے خطرہ ہے۔"

"ہاں، فوری خطرہ ہے..."

"آخر یہ کیا ہے۔" محمود چلا اٹھا۔

"میں نہیں جانتا۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"آپ جانتے بھی نہیں اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ خطرناک ہے۔"

"اس میں شک نہیں... کیونکہ یہ کسی دھات کا بنا ہوا نہیں ہے... نہ لکڑی کا ہے۔"

"تب پھر۔" وہ ایک ساتھ بولے... اب ایک دم ان کی حیرت بہت بڑھ گئی۔

"یہ میرے خیال میں کیمیکل سے بنایا گیا ہے... یا پھر گیسوں کے ذریعے۔"

"جی... کیا فرمایا... گیسوں کے ذریعے... گیس تو اڑنے والی ہوتی ہے... اور یہ تیر ٹھوس ہے۔"

"اس میں شک نہیں کہ یہ ٹھوس ہے... لیکن گیس مائع حالت میں بھی ملتی ہیں... ٹھوس حالت میں بھی ملتی ہیں... یہ ٹھوس گیسوں سے تیار کیا گیا ہے... اور وہ گیسیں آہستہ آہستہ اس سے خارج ہو رہی ہیں... ان گیسوں کا اثر ہم پر بھی ہونا شروع ہو چکا ہے... ہمیں تو فوراً اس سے الگ ہو جانا چاہیے۔"

"تب پھر اس کی حقیقت کا کیسے پتا چلے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اچھی بات ہے... میں اسے تجربہ گاہ لے جا رہا ہوں... تم

سب لوگ میرے ساتھ نہیں آؤ گے ... تم اس تیر کے ساتھ پہلے
سے ہو ... میں اور خان رحمان ابھی آئے ہیں ... ہم کم خطرے میں
ہیں ... تم فوراً فاصلے پر ... چلے جاؤ ... مم ... مگر ... نہیں ... تم فوراً اس
گھر سے نکل جاؤ ... جب تک میں آلات لے کر یہاں نہ آجاؤں ... گھر
میں نہ آنا۔"

"کک ... کیا ہم ... بیگم شیرازی کے گھر چلے جائیں۔"

"ہرگز نہیں ... انہیں بھی وہاں سے نکال لو ... اور خان
رحمان کے گھر پہنچ جاؤ ... جلدی کرو۔"

"آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔"

"میں خود ڈر گیا ہوں ... تم نے اب بھی مجھے وقت پر بلا لیا ...
اگر ایک دو گھنٹے بعد بلاتے تو معاملہ گڑبڑ تھا ... اب بھی تم خطرے میں
ہو ... اور جب تک میں یہ نہ معلوم کر لوں ... کہ یہ تیر کس چیز سے بنایا
گیا ہے ... اس وقت تک تم لوگوں کا علاج بھی شروع نہیں کیا جا سکتا۔"

"جی ... علاج ... لیکن ہم تو بالکل بھلے چنگے ہیں۔" فاروق نے
بوکھلا کر کہا۔

"اس وقت خود کو بھلا چنگا محسوس کر رہے ہو ... لیکن تھوڑی
دیر بعد خود میں نمایاں تبدیلی محسوس کرو گے ... میں جا رہا ہوں ... اب
مزید رک نہیں سکتا ... ورنہ میں بھی کچھ دیر بعد ہسپتال میں ہوں گا۔"

"آپ کا مطلب ہے ... ہمیں اب ہسپتال بھی جانا پڑے گا۔"

"وہ تو لازمی بات ہے ... بلکہ پہلے مجھے تیر پر ریسرچ کرنا

ہو گی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ دوڑ کر باہر نکل گئے ... اب وہ بھی
باہر کی طرف بھاگے ...

"مگر تم بھی آؤ۔"

"افسوس اتنا مزیدار کھانا تیار کیا تھا میں نے۔" وہ بول اٹھیں

"حد ہو گئی ... تمہیں ایسے میں کھانے کی پڑی ہے۔" انسپکٹر
جھلا اٹھے۔

وہ مسکرائے ... پھر وہ سب وہاں سے نکل بھاگے ...

"ارے یہ تو میرے ہاتھ میں رہ گیا۔" خان رحمان چلائے۔

"کیا؟" وہ بول پڑے۔

"وہ خط ... جس میں لکھا نظر آتا ہے ... آج شام تم دوسری
دنیا میں پہنچ جاؤ گے۔"

"لیکن شام تو ہو چکی ہے ... دشمنوں کا منصوبہ فیل ہو چکا ہے
میں نے اس تیر کو بھانپ لیا تھا اللہ کی مہربانی سے۔" انسپکٹر جمشید نے
پُرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن کیسے جمشید ... تم نے آخر کیسے بھانپ لیا کہ تیر
خطرناک ہے۔"

"وہ تو سیدھی سی بات ہے ... اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے ..
میں اس سے کام لیتا ہوں ... تیر یا تو لکڑی کا ہوتا ہے ... یا لوہے کا ... اگر
لکڑی کا ہوتا تو پھر بھی اس کی انی لوہے کی ہوتی ہے ... تاکہ وہ جسم میں

دھنس جائے... اور دشمن کا کام تمام ہو جائے... دشمن کا کام جلد تمام کرنے کے لیے کچھ لوگ تیر کی انی پر زہر بھی لگاتے ہیں... جب میں نے اس تیر کو غور سے دیکھا... تو وہ مجھے لکڑی کا محسوس نہیں ہوا... اس کو موڑ کر دیکھا تو وہ لوہے کا بھی محسوس نہیں ہوا... پھر میں نے محمود کے چاقو سے اس پر خراش ڈالی... تو پتا چلا... وہ واقعی لوہے کا بھی نہیں ہے... کسی اور دھات کا بھی وہ محسوس نہیں ہوا... دوسری طرف مرزا الماس بیگ اور ان کی بیگم کی لاشیں نظر آئیں... دشمن انہیں موت کے گھاٹ اتارے بغیر بھی... وہ تیر ہمارے دروازے پر پھینک سکتا تھا... اس نے ان دونوں کو مار کر ہمیں صرف یہ احساس دلایا کہ انسانی جانوں کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے... اور جس طرح اس نے ان دو کا خون بہایا ہے... وہ ہمیں بھی قتل کر کے رکھ دے گا... اس وقت میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی... اور پروفیسر صاحب نے آ کر میرے خیال کی تائید کر دی۔"

"ہوں... واقعی... کیا میں اس خط کو پھینک دوں۔" خان رحمان بولے۔

"اس پر تحریر ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے... یہ ہمارے لیے کوئی ثبوت نہیں بن سکے گا... لیکن کیا خبر... اس کی بھی کوئی اہمیت ہو... ہم اس کو پھینک دیں اور بعد میں پچھتائیں۔"

"خیر... میں رکھ لیتا ہوں... لیکن مجھے نہ جانے کیوں اس سے بھی خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... خیر میں پروفیسر صاحب سے اس کے بارے میں مشورہ کر لیتا ہوں۔"

انہوں نے موبائل فون پر ان کے نمبر ملائے... فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی۔

"جمشید! ابھی تو میں پہنچا ہوں... آدھ گھنٹے بعد فون کرنا... کیا وہاں سے نکل چکے ہو۔"

"جی ہاں... میں نے تیر کے لیے نہیں... خط کے لیے فون کیا ہے۔"

"خط... کیا مطلب۔"

"میں اس پراسرار خط کی بات کر رہا ہوں... جس پر لکھا نظر آتا ہے... آج شام تم دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو جاؤ گے۔"

"اوہ اچھا... میں اپنا ایک نائب بھیج کر وہ خط منگوا رہا ہوں... تم کہاں ہو۔"

"خان رحمان کے گھر ملیں گے ہم... ابھی ہم راستے میں ہیں"

"او کے... تم وہ خط میرے اسسٹنٹ کے حوالے کر دینا۔"

"جی بہتر۔"

"اور ہسپتال جانے کے لیے ہر دم تیار رہو۔"

"جی اچھا... جو نہی کوئی بات معلوم ہو... آپ فوراً ہمیں فون کر دیں۔"

"میں یہی کروں گا جمشید۔" ان کی آواز سے پریشانی ٹپک رہی

تھی... ساتھ ہی انہوں نے فون بند کر دیا۔

"ایسا لگتا ہے کہ انہیں تیر کے بارے میں کچھ اندازہ ہے... لیکن وہ ہمیں بتا نہیں رہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

وہ خان رحمان کے گھر پہنچ گئے... بڑی گاڑی انہوں نے بالکل تیار کھڑی کر دی... تاکہ انہیں ہسپتال جانا پڑ جائے تو فوری طور پر جا سکیں...

"یہ ہم بیٹھے بٹھائے کس چکر میں پھنس گئے۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"اس بار کا منصوبہ صرف اور صرف ہمیں نشانہ بنانا ہے اور کچھ نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"اور وہ لوگ ہمارے لیے اجنبی تھے۔"

"پتا نہیں... ہو سکتا ہے... میک اپ میں ہوں اور ہوں ہمارے کوئی پرانے مہربان۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... گویا وہ صرف ہمیں جان سے مارنے آئے ہیں۔"

"محسوس یہی ہوتا ہے۔"

"اللہ مدد فرمانے والے ہیں.. گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

پھر آدھ گھنٹے بعد پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی...

"تم لوگ ہسپتال پہنچ جاؤ... میں بھی وہیں آ رہا ہوں... ہم

... کو علاج کرانا پڑے گا۔"

"کیا آپ کو معلوم ہو گیا ہے... وہ تیر کس چیز کا ہے۔"

"ہاں! لیکن یہ وہیں آ کر بتاؤں گا۔"

"جی اچھا۔"

وہ ہسپتال پہنچ گئے... پروفیسر داؤد نے پہلے ہی وہاں فون ... لہٰذا انہیں ایک خاص وارڈ میں لایا گیا... پروفیسر صاحب ... آ گئے... اب سب کا علاج شروع ہوا... یہ علاج پروفیسر صاحب ... ہدایات کی روشنی میں ہو رہا تھا۔

"آپ ہمیں کچھ بتا کیوں نہیں رہے۔"

"وہ خط کہاں ہے۔" پروفیسر بولے۔

"آپ کے اسسٹنٹ لے گئے تھے۔"

"میں نے اسسٹنٹ کو تم لوگوں کی طرف بھیجا تھا... لیکن۔"

... کہتے کہتے رک گئے... ان کی نظریں سب کو باری باری دیکھنے لگیں.. ...محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خوفناک خبر سنانا چاہتے ہوں...

"لیکن کیا؟"

"لیکن اسسٹنٹ مجھ تک نہیں پہنچا۔"

"کیا مطلب... پھر وہ کہاں ہیں۔"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

روکنا ہوگا

چند لمحات سناٹے کے عالم میں گزر گئے... پھر انسپکٹر جم[illegible]
نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"آپ کا مطلب ہے..... آپ کے اسسٹنٹ واپس نہ[illegible]
پہنچے... نہ انہوں نے کوئی اطلاع دی کہ وہ کہاں ہیں اور تجربہ گاہ کیوں
نہیں پہنچے۔

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

"اور آپ یہاں آگئے۔"

"میرا یہاں آنا بہت ضروری تھا... اکرام کو اس کے بارے
میں خبر کر دی ہے... وہ اس کی تلاش میں روانہ ہو گیا ہو گا۔"

"اوہ اچھا... ویسے یہ خبر بہت سنسنی خیز ہے... کیا آپ [illegible]
اسسٹنٹ کو صرف اس خط کے لیے اغوا کیا گیا ہے... اگر وہ خط اتنا [illegible]
تھا انہوں نے ہمیں بھیجا ہی کیوں تھا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"اور وہ تیر کس چیز کا بنا ہوا ہے۔"

"ابھی نہیں... کچھ دیر بعد بتاؤں گا۔" وہ بولے۔

"تیر کا آپ نے کیا کیا۔"

"اس کو ایک محفوظ خول میں بند کر کے زمین میں دفن کر دیا
[illegible]... اس کا یہی علاج تھا۔"

"[illegible] میں سمجھ گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا سمجھ گئے... نہیں جمشید... تم تیر تک نہیں پہنچ سکتے...
[illegible] اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے۔"

"مجھے اپنا خیال تو پیش کرنے دیں۔" وہ بولے۔

"ہاں ضرور... کیوں نہیں۔"

"تو پھر سنیے... جن علاقوں میں ایٹمی تجربات کیے جاتے
[illegible]... وہاں تابکاری اثرات پھیل جاتے ہیں..... یہ تابکاری اثرات
انسانوں کے لیے مہلک ترین ہیں۔ وہ تیر تابکاری لہروں سے تیار کیا گیا
[illegible]... یوں کہہ لیں... کچھ ایسے کیمیکل تیار کیے گئے ہیں کہ وہ ان
تابکاری اثرات کو جذب کر لیں اور پھر اپنے اندر سے آہستہ آہستہ
خارج کرتے رہیں... گویا ہمارے گھر میں اس وقت تابکاری اثرات
[illegible] اور ہمارے جسموں میں بھی۔"

"کمال کر دیا جمشید... تمہیں تو سائنس دان ہونا چاہیے تھا۔"

"جی بس... آپ کی وجہ سے نہیں بنا۔" وہ بول پڑے

"کیا مطلب... میری وجہ سے نہیں بنے۔"

"ہاں! آپ [illegible] مان جاتے۔" وہ مسکرائے۔

"ارے نہیں... تم ہزار بار سائنس دان بن جاؤ... میں برا

نہیں مانوں گا... بلکہ خوش ہوں گا۔"

"ارے باپ رے... ہزار بار تو میں نہیں بن سکتا۔"

وہ سب مسکرانے لگے... رات گئے انہیں اکرام کی طرف سے فون ملا۔

"اسسٹنٹ صاحب ایک سڑک سے بے ہوش حالت میں مل گئے ہیں۔"

"انہیں بھی یہیں پہنچا دو اکرام... کہیں وہ بھی۔" وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"کہیں وہ بھی کیا؟"

"کک... کچھ نہیں... بس تم انہیں یہاں لے آؤ۔"

"او کے۔" وہ بولا اور جلد ہی نائب کو وہاں لے آیا۔

"ہاں بھائی... کیا ہوا تھا؟" پروفیسر داؤد نے پوچھا۔

"خط لے کر تجربہ گاہ کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے کسی نے حملہ کر دیا... اور پھر ایک کار میں ڈال کر نہ جانے کہاں لے گئے... راستے میں میں بے ہوش ہو گیا تھا... ہوش آیا تو اکرام کا چہرہ دیکھا۔"

"اور وہ خط؟"

"ان کے پاس کوئی خط نہیں تھا۔"

"گویا انہیں صرف وہ خط حاصل کرنا تھا۔"

"ابھی تو وہ تیر حاصل کریں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تب پھر تیر ہماری طرف پھینکنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تا کہ ہم تابکاری اثرات کا شکار ہو کر مارے جائیں... یا ہمیشہ کے لیے اپاہج ہو جائیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ارے باپ رے... تابکاری اثرات۔" اکرام اور نائب چلا اٹھے۔

اب انہیں بھی اس تیر کے بارے میں بتایا گیا...

"اور آپ نے اسے دفن کہاں کیا ہے؟"

"تجربہ گاہ میں ایک جگہ۔" انہوں نے بتایا۔

تین دن وہ ہسپتال میں رہے... جب خطرے سے باہر ہو گئے تو انہیں فارغ کر دیا گیا... وہ پہلے تجربہ گاہ آئے۔

"اب کیا کریں۔" پروفیسر بولے۔

"ان لوگوں کا سراغ لگائیں گے ہم... آپ اپنا کام کریں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میرا مطلب تھا... اس تیر کا کیا کیا جائے۔"

ایسے میں فون کی گھنٹی بجی... پروفیسر داؤد نے ریسیور اٹھایا اور پھر انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا دیا۔

"تمہارا فون ہے جمشید۔"

"اوہ اچھا۔" انہوں نے قدرے حیران ہو کر کہا... اس لیے کہ ہسپتال سے وہ سیدھے یہاں آئے تھے اور کسی کو بتا کر نہیں آئے تھے کہ کہاں جا رہے ہیں...

"ہیلو انسپکٹر جمشید۔" دوسری طرف سے ایک بھاری بھر(کم)
آواز گونجی۔

"جی ہاں! فرمائیے۔"

"ہماری تلاش میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... ہم
ہوٹل بولان میں ٹھہرے ہوئے ہیں..."

"آپ کا مطلب ہے... تیر چلانے والے۔" انہوں نے
چونک کر کہا۔

"ہاں! ویسے امید نہیں تھی کہ آپ لوگ اس تیر سے بچ
جائیں گے... خیر... اب آکر ہمیں گرفتار کر لیں... ہم اس وقت تک
ہوٹل سے نہیں جائیں گے... جب تک کہ آپ ہمیں تلاش کرتے
کرتے تھک نہیں جائیں گے... ہم ہیں یہیں... اس بات کا ثبوت بھی
آپ کو دیتے رہیں گے..."

"کیا مطلب؟" ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"کسی نہ کسی طرح آپ پر واضح کرتے رہیں گے کہ ہم ہوٹل
سے گئے نہیں... یہیں موجود ہیں۔"

"آپ کا پروگرام کیا ہے۔"

"پہلا پروگرام تو کر دیا آپ لوگوں نے ناکام... خیال تھا کہ
آپ سب لوگ اپاہج ہو جائیں گے... اب دوسرا پروگرام شروع کیا
ہے... وہ ہے موت کا پروگرام۔"

"گویا اب آپ نے ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے کا پروگرام

[illegible] ہے۔"

"یہی سمجھ لیں۔" وہ ہنسا۔

"ٹھیک ہے... ہم آرہے ہیں۔"

"میرا ابھی یہی خیال تھا کہ آپ بزدل نہیں ہیں، آئیں گے۔"

"ہم اس لیے نہیں آئیں گے کہ اپنی بہادری ثابت کریں...
[illegible] آئیں گے کہ آپ لوگوں نے مرزا الماس بیگ اور مسز
[illegible] بیگ کو قتل کیا ہے۔"

"جی ہاں... اس لیے بھی آپ کو آنا پڑے گا۔"

"لیکن ان بے چاروں کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی
[illegible]... کیا آپ کا کام اس کے بغیر نہیں چل سکتا تھا۔"

"چل سکتا تھا... لیکن پھر آپ کو یہ پتا نہ چلتا کہ ہم کس قدر
زبردست چیز ہیں۔"

"آپ لوگ اپنے نام بتانا پسند کریں گے۔"

"ہاں! کیوں نہیں... نوٹ کر لیں... جاڑا، بخار، نزلہ...
زکام۔"

"نام پسند آئے..."

"ہوٹل میں آپ کو یہ نام رجسٹر میں درج ملیں گے... ہمارے
نام وہ کمرے بک ملیں گے... لیکن ہم آپ کو ان کمروں میں نہیں ملیں
گے۔"

"کوئی بات نہیں... تلاش کر لیں گے ہم۔"

"شکریہ!" یہ کہہ کر دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

"چلو بھئی.. آسانی ہو گئی۔" انہیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔"

"لیکن ابا جان... یہ بات جھوٹ ہو سکتی ہے... مطلب یہ اس طرح وہ تو محفوظ رہیں گے اور ہم ہوٹل میں ٹکریں مارتے پھریں گے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"تمہارا مطلب ہے... ہو سکتا ہے وہ ہوٹل میں نہ ہوں، کہیں اور ٹھہرے ہوئے ہوں۔"

"ہاں! بالکل۔"

"انہوں نے کہا ہے کہ وہ اپنی موجودگی کو ثابت کریں گے لہٰذا ہم دیکھیں گے کہ وہ کیسے ثابت کر سکتے ہیں... آؤ چلیں... اور پروفیسر صاحب اور خان رحمان صاحب... آپ اس بار ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔"

"اچھا! یہ کس نے کہا ہے۔"

"میں کہہ رہا ہوں آپ سے۔"

"اور یہ کیوں کہہ رہے ہو تم۔"

"یہ لوگ ہیں... ان کے کام کا طریقہ پراسرار ہے... خوفناک ہے... سنگ دل لوگ ہیں... لہٰذا آپ لوگ کیوں خطرات میں پڑیں۔"

"یہ تو تم نے آج عجیب بات کہہ دی... جمشید اس بار تو اگر تم

یوں کہتے کہ آج تو آپ دونوں کو چلنا ہی پڑے گا... اس لیے کہ وہاں آپ کی ضرورت محسوس ہوگی تو ہم بھی خوشی محسوس کرتے... لیکن تمہاری بات سن کر رنج ہوا۔" پروفیسر داؤد نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"میں بھی پروفیسر صاحب کی تائید کرتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے... آپ کی مرضی... میں آپ کو رنج نہیں پہنچا سکتا۔" انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کندھے اچکائے۔

پھر وہ اسی وقت ہوٹل بولان پہنچ گئے... اس وقت شام کے چار بج رہے تھے... ہوٹل بولان شہر کا بہت بڑا اور شاندار ہوٹل تھا... اس میں رہائش کے لیے سو کمرے تھے... اور یہ مہنگا ترین ہوٹل تھا... اس میں رہائش کے لیے صرف بڑے بڑے دولت مند آتے تھے... یہاں کھانا کھانے تک کا خیال چھوٹے دولت مند دل میں نہیں لاتے تھے... اس لیے کہ کھانے کا بل بھی ہزاروں روپے میں بنتا تھا... ایک آدمی کے کھانے کا بل دس ہزار سے کم نہیں ہوتا تھا... یعنی ایک وقت کے کھانے کا... لیکن انہیں تو یہاں مجرموں کی وجہ سے آنا پڑا تھا... وہ ایسے ہوٹلوں میں ٹھہرنا بالکل پسند نہیں کرتے تھے... یہاں تو پیسہ ضائع ہی ہوتا تھا...

دروازے پر انہیں روک لیا گیا...

"جناب! پہلے آپ اس طرف جائیں... وہاں استقبالیہ ہے... وہ ہوٹل کے اصول... قاعدے [illegible]

"ہم یہاں رہائش کے لیے نہیں آئے... نہ کھانے پینے کے لیے آئے ہیں لہٰذا ہمیں اس طرف جانے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"تب پھر کس لیے آئے ہیں۔"

"ہمیں منیجر سے ملنا ہے۔"

"اس کے لیے بھی آپ کو اسی طرف جانا پڑے گا وہ آپ کی منیجر صاحب سے ملاقات کرا دیں گے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا جو ان سے چھپا نہ رہ سکا۔

"کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ہماری ملاقات منیجر صاحب سے نہیں کرائی جائے گی۔"

ملازم چونک اٹھا... اس نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا...

"آپ نے میرا خیال کیسے جان لیا۔"

"آپ کے انداز سے۔" وہ مسکرائے۔

"ہاں! منیجر بہت مصروف آدمی ہیں... آپ کا کام جب استقبالیہ والے ہی کر دیں گے تو پھر منیجر سے ملاقات کی کیا ضرورت رہ جائے گی۔"

"اوہ اچھا... ٹھیک ہے۔"

وہ اس سمت میں مڑ گئے... استقبالیہ کا دفتر شاندار تھا... وہ اس میں داخل ہوئے...

"آئیے تشریف لائیے جناب۔" باہر کھڑے آدمی نے انہیں بتایا... اور کمرے کی طرف اشارہ کیا... گویا استقبالیہ بھی کئی کمروں پر مشتمل تھا... وہ کمرے میں داخل ہوئے... اب انہوں نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا... اپنا کارڈ نکال کر دکھایا۔ کارڈ دیکھ کر بھی کلرک کے چہرے پر کوئی بات نظر نہ آئی... بس اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"ہوٹل کے منیجر سے ملاقات۔"

"وہ آج ہوٹل نہیں آئے... بلکہ تین دن کی چھٹی پر ہیں۔"

"ان کے اسسٹنٹ؟"

"وہ بھی چھٹی پر ہیں..."

"آخر ان کا کام کون دیکھتا ہے۔"

"آپ کو جو کام ہے... مجھ سے کہیں۔"

"اچھی بات ہے... ہمیں اس پورے ہوٹل کی تلاشی لینا ہے... یہاں 4 عدد قاتل چھپے ہوئے ہیں۔" اب انہیں غصہ آ گیا اور انہوں نے براہ راست بات کرنا پسند کی۔

"جی... کیا فرمایا۔" پہلی بار اس نے چونک کر کہا۔

"اور اگر آپ نے تعاون نہ کیا تو میں قاتلوں کی مدد کرنے کے جرم میں سب سے پہلے آپ کو گرفتار کروں گا۔"

"خیر.. آپ ایسا نہیں کر سکیں گے... وارنٹ لائے ہیں۔"

اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

"وارنٹ کیا مشکل ہیں۔"

"اوکے... وارنٹ دکھا دیں... اور اپنا پروگرام شروع کر دیں۔"

انہوں نے جیب سے وارنٹ کا کاغذ نکالا اور اس کے سامنے کر رکھ دیا... وہ بری طرح اچھلا...

"یہ... یہ کیا ہے۔" وہ اچھلا۔

"وارنٹ اور کیا... کیا آپ کو پڑھنا نہیں آتا۔"

اس نے برا سا منہ بنایا اور بولا۔

"میں ایم اے انگلش ہوں۔"

"ہوں گے... وارنٹ پڑھ کر دکھائیں تو جانیں۔"

اس نے جلدی جلدی وارنٹ پڑھے... انسپکٹر جمشید پہلے ہی جانتے تھے کہ ایسی صورت پیش آسکتی ہے... آخر ان چاروں نے جو ہوٹل ہو ان کو منتخب کیا ہے... تو اس کی کچھ تو وجہ ہو گی... ان کے پاس ریڈی میڈ وارنٹ موجود ہوتے تھے... ایسی صورت کے لیے... فارم پر صرف جگہ کا نام اور تاریخ درج کرنا ہوتی تھی... آئی جی صاحب وغیرہ کے دستخط پہلے ہی فارم پر ہوتے تھے۔

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وارنٹ کو دیکھا پھر بولا۔

"آئی جی صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے... وہ یہ وارنٹ جاری نہیں کر سکتے۔"

"وہ کیوں جناب؟"

"ہمارے ہوٹل کے لیے تلاشی کے وارنٹ ہوم سیکرٹری کے علاوہ کوئی جاری نہیں کر سکتا۔"

"لانے کو تو میں ان کے وارنٹ بھی لے آؤں گا... لیکن اس طرح وقت ضائع ہو گا... آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ انہی وارنٹ کام چلالیں۔"

"جی نہیں... منیجر صاحب کو کون جواب دے گا... جب وہ پوچھیں گے... تلاشی کیوں دی گئی جب ہوم سیکرٹری کے وارنٹ نہیں تھے..."

"اوکے.. میں ان کے وارنٹ یہیں بیٹھے بیٹھے منگوا رہا ہوں۔"

"آپ ساتھ والے کمرے میں چلے جائیں... جو کرنا ہے... وہاں بیٹھ کر کر لیں... اور جب وارنٹ آجائیں اس وقت میرے پاس آجائیں۔"

"آپ ہمیں یہاں سے اس لیے اٹھا رہے ہیں کہ ان چار قاتلوں کو خبردار کر سکیں... لیکن اب میں آپ کو اتنی مہلت نہیں دوں گا۔"

"دیکھئے جناب! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"حد سے میں نہیں... آپ بڑھ رہے ہیں... محمود... اکرام کو فون کرنا... اس سے کہو... بلکہ نہیں... ہم آئی جی صاحب سے پوچھیں... ان کے وارنٹ یہاں کیوں نہیں چل سکتے۔"

کلرک برا سا منہ بنا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں... آپ کہاں چل دیے۔"

"مجھے ہوٹل کے کچھ اور کام بھی ہیں۔"

"یہاں کا کام کون کرے گا۔"

"دوسرے کمرے میں اور لوگ کام کر رہے ہیں... یہاں ایک کام پر کئی کئی لوگ مقرر ہیں۔"

"لیکن وارنٹ آنے تک آپ کہیں نہیں جائیں گے۔"

"آپ مجھے روک نہیں سکتے۔"

"او کے... اب جو ہو گا... اس کے ذمے دار آپ خود ہوں گے... ہم نے آپ کو بہت نرمی سے سمجھایا... لیکن آپ کچھ زیادہ اونچی ہواؤں میں ہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے پستول نکال لیا اور سرد آواز میں کہا۔

"یہ پستول بے آواز ہے۔"

"تو پھر... اس سے کیا ہوتا ہے... جب آپ اس سے مجھ پر فائر کر ہی نہیں سکتے۔" وہ ہنسا۔

"آپ سرکاری کام میں رکاوٹ پر رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو آپ مجھے رکاوٹ ڈالنے سے روک دیں۔"

"اب تو روکنا ہی ہو گا... کالے زیرے۔"

وہ بہت بری طرح اچھلا.. اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

دولت کو سلام

اس کی آنکھوں میں اب خوف ہی خوف تھا... یہ دیکھ کر ان کے ساتھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"یہ... یہ کیا ہوا... کہاں تو یہ صاحب آسمان پر اڑ رہے تھے.. کہاں بھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔"

"ان جیسوں کو بٹھانا مجھے آتا ہے... اب جائیے نا... کہاں جا رہے تھے آپ۔" انسپکٹر جمشید طنزیہ انداز میں مسکرائے۔

"آپ نے کہا تھا... کالے زیرے۔"

"ہاں! یہی نام ہے اس کا... چھٹا ہوا بد معاش ہے... پرانا جرائم پیشہ ہے... اور کئی بار کا سزا یافتہ ہے... لہٰذا ان چاروں قاتلوں کو اسی نے یہاں پناہ دی ہے... اسی لیے وہ چاروں ذرا شوخی پر اتر آئے ہیں... ان کی شوخی ہوا ہو گئی ہے... یہ ساتھ میں مارا جائے گا۔"

"خوب... خوب۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے... ہوم سیکرٹری کے وارنٹ کے بغیر کام چلے گا یا نہیں۔"

"نہیں جناب... وہ تو آپ کو لانا ہوں گے..." اس نے تھکے

تھکے انداز میں کہا۔

"اور منیجر کہاں ہے۔"

"وہ واقعی چھٹی پر ہے۔"

"اس کا اسسٹنٹ کہاں ہے۔"

"وہ بھی چھٹی پر ہے۔"

"ان کے نام بتاؤ۔"

"منیجر کا نام ہے... بابر سوڈانی... نائب منیجر کا نام ہے... شہزاد کھوکھر۔"

محمود نے یہ نام نوٹ کر لیے.. پھر انہوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا... ان کی آواز سن کر وہ بولے۔

"ہم اس وقت ہوٹل بولان میں موجود ہیں سر۔"

"اچھا تو پھر ؟" وہ بولے۔

"یہاں کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"ضرور لو... کس نے روکا ہے... کوئی خاص وجہ تمہارے پاس ہو گی... تبھی تو لینا چاہتے ہو گے۔"

"بالکل ٹھیک سر... مرزا الماس بیگ اور بیگم الماس کے قاتل یہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"اوہ... تب تو تلاشی اور ضروری ہے۔"

"لیکن ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ہوم سیکرٹری کے وارنٹ کے بغیر تلاشی نہیں دیں گے۔ گویا آپ کے وارنٹ یہاں نہیں چل

"کیا بکواس ہے... یہ کس نے کہا ہے۔"

"یہاں کے ایک کلرک بادشاہ نے... اس کا نام کالا زیرہ

"وہ کالا زیرہ ہو یا سفید... سب سے پہلے اسے گرفتار کرو... ے میں لے لو... اور تلاشی شروع کر دو... پھر میں دیکھ انہوں نے غصے کے عالم میں کہا۔

"او کے سر۔" انہوں نے کہا۔

اب انہوں نے اکرام کو فون پر ہدایات دیں...

"لیکن جناب! اگر ہوٹل سے وہ قاتل نہ ملے.. تو کیا ہو گا۔"

کالا زیرہ بولا۔

"کچھ نہیں ہو گا... ان قاتلوں نے ہمیں چیلنج کیا ہے... وہ یہاں ملتے ہیں یا نہیں... ہمیں تلاشی تو لینا ہو گی۔"

"کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

انسپکٹر جمشید چونک سے گئے کہ وہ یہ کیوں پوچھ رہا ہے... پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولے۔

"اس سوال کا مطلب ؟"

"کک... کچھ نہیں..." وہ گڑبڑا گیا۔

"نہیں... بلا وجہ تم یہ سوال نہیں پوچھ سکتے تھے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں... بلا وجہ یہ سوال منہ سے نکل گیا... یا

اس کی وجہ یہ خیال کر لیں کہ میرے ذہن میں یہ بات آئی... کہ انہیں تلاش اسی صورت میں کر سکتے ہیں... جب آپ انہیں پہچانتے ہوں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں اچھا ٹھیک ہے..."

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں... یہ ہمارا کام ہے... تمہارا نہیں۔" وہ بولے۔

پھر اکرام وہاں پہنچ گیا...

"پہلے تو اسے گرفتار کر لو۔"

"مجھے کس جرم میں۔"

"اس سوال کا جواب آئی جی صاحب ہی دیں گے... تمہاری گرفتاری ان کے حکم پر ہو رہی ہے... مجھے تو خیر تمہیں گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

اکرام کے ماتحت نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دی اور پکڑ کر ایک جیپ کی طرف لے گئے۔ اس کے ماتحت ہوٹل کو گھیرے میں لے چکے تھے... جب کسی جگہ کی تلاشی لینا ہوتی تھی... وہ وردیوں میں آتے تھے...

"چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے سر۔"

"سپیکر پر اعلان کراؤ... کہ مرزا الماس بیگ اور بیگم الماس کے چار قاتل ہوٹل میں چھپے ہوئے ہیں، انہیں وارننگ دی جاتی

ہے... ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر آ جائیں... تاکہ تمام لوگوں کو پریشانی نہ ہو... دس منٹ تک اگر وہ نہ نکلے تو پھر ہوٹل کی باقاعدہ تلاشی شروع ہو گی..." عین اسی وقت ہوم سیکرٹری صاحب تشریف لے آئے اور تلاشی لینے سے روکا... انسپکٹر جمشید نہ مانے... دس منٹ کے انتظار کے بعد تلاشی شروع ہوئی۔

"دیکھوں گا... تمہیں دیکھوں گا۔" وہ غرائے اور جیپ کی طرف بڑھ گئے... پھر وہاں بیٹھ کر وہ غالباً اپنے موبائل پر صدر صاحب سے بات کرنے لگے... اچانک آئی جی صاحب کا فون اکرام کو ملا... وہ کہہ رہے تھے۔

"تلاشی روک دو بھئی... صدر صاحب کا حکم ہے۔"

"جی... کیا فرمایا آپ نے۔" اکرام دھک سے رہ گیا۔

انسپکٹر جمشید اس وقت ہوٹل کے اندر کسی اور جگہ تلاشی لینے میں مصروف تھے... ہوٹل کی تلاشی خود ان کے لیے بہت ضروری تھی... کیونکہ قاتلوں سے ملاقات ان کی یا محمود، فاروق اور فرزانہ کی ہوئی تھی... یہ چاروں ہی انہیں پہچان سکتے تھے۔

"سنا نہیں آپ نے۔" آئی جی سرد آواز میں بولے۔

"یس... یس سر۔"

پھر اکرام نے سپیکر پر اعلان کر دیا۔

"سر آپ کہاں ہیں... صدر صاحب کا حکم ہے... تلاشی روک دی جائے۔"

انسپکٹر جمشید نے یہ الفاظ سنے اور دھک سے رہ گئے... پھر وہ اور دوسرے لوگ ہوٹل سے باہر آگئے... ہوم سیکرٹری صاحب نے انہیں طنزیہ نظروں سے دیکھا...

وہ سیدھے اپنی گاڑی کی طرف آئے... اس میں بیٹھے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے... اکرام اور اس کے ماتحت بھی گاڑیوں میں روانہ ہوئے۔

"یہ... یہ کیا ہوا... صدر صاحب نے ہوم سیکرٹری صاحب کی بات کیوں مان لی۔"

"میں خود نہیں سمجھ سکا... گھر چل کر فون کریں گے انہیں۔" انہوں نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

پھر وہ گھر میں داخل ہوئے... بیگم جمشید انہیں دیکھ کر ہنس پڑیں... جب وہ کہیں سے ناکام لوٹتے تھے تو وہ ان کے چہروں کو دیکھ کر ہی سمجھ جاتی تھیں... لہٰذا ہنس دیا کرتی تھیں۔ ان کا اس طرح ہنسنا بھی انہیں اچھا لگتا تھا...

"ہنس لو بیگم... ہنس لو۔" انہوں نے بھی ہنس کر کہا۔

پھر وہ اپنے کمرے میں آگئے... باقی لوگ بھی وہیں آگئے... اب انہوں نے صدر صاحب کے نمبر ملائے... ان کی آواز سنتے ہی صدر صاحب بولے۔

"... میں تمہارے فون کا ہی انتظار کر رہا تھا جمشید۔"

"یہ کیا ہوا سر... آپ نے آئی جی صاحب کے وارنٹ روک

دیا... جب کہ تلاشی میں لے رہا تھا۔"

"ہاں! جمشید... میں مجبور تھا۔"

"سر... مہربانی فرما کر وضاحت کر دیں۔"

"وضاحت... اچھا خیر... کر دیتا ہوں... لیکن اب تو تم اس معاملے میں خاموشی ہی اختیار کرو۔"

"سر! وہاں چار قاتلوں نے پناہ لے رکھی ہے... اور غالباً انہوں نے ہوٹل بولان کو اسی لیے چنا ہے... کہ وہ وہاں محفوظ رہیں گے... اس طرح تو ہم ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔"

"بھئی پہلے بات سن لو۔" صدر صاحب ہنس کر بولے۔

"جی ضرور... فرمائیں۔"

"ہوٹل بولان خود ہوم سیکرٹری صاحب کا ہے۔"

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"ہاں! انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں یہ تلاشی رکوا دوں... وہ میرے رشتے دار بھی ہیں... انہیں ان چار قاتلوں سے کوئی غرض نہیں ہے... تم کسی اور طرح انہیں گرفتار کر لو۔"

"اب سمجھا... وہاں کے ملازمین کا رویہ کیوں مذاق اڑانے والا تھا لیکن سر یہ طریقہ درست نہیں ہے... وہ لوگ وہاں قانون کا مذاق اڑاتے ہیں۔"

"میں اس بارے میں ہوم سیکرٹری صاحب سے بات کروں گا۔"

”او کے سر۔“ انہوں نے کہا۔
فون بند کر کے انہوں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا... پھر
بولے۔
”یار خان رحمان... اب ہم دوسرے طریقے سے وہاں
جائیں گے اور ان چاروں کو گرفتار کریں گے۔“
”وہ... وہ کون سا طریقہ ہے؟“ خان رحمان بولے۔
”ابھی بتاتا ہوں... پروفیسر صاحب... آپ پہلے اپنے آلات
سے تلاشی لے لیں۔“
”کیا مطلب... گھر کی تلاشی۔“
”ہاں! ہو سکتا ہے... ہمارا پروگرام جاننے کے لیے انہوں
نے یہاں کوئی آلہ چھپا دیا ہو۔“
”یہ بات تو ہم امی جان سے پوچھ سکتے ہیں... یہاں کوئی آیا تو
نہیں۔“ فرزانہ نے کہا۔
”جاؤ پھر... پوچھ آؤ۔“
فرزانہ چلی گئی اور پھر مسکراتی ہوئی واپس لوٹی...
”کوئی خاتون آئی تھیں... کسی بیمہ کمپنی کی ملازم تھیں...
ہماری امی جان کو بیمہ کرانے کے لیے کہتی رہیں۔“
”اوہ... تب تو پروفیسر صاحب کو اپنا کام کرنا چاہیے۔“
”ضرور... کیوں نہیں۔“
اور پھر انہوں نے آلات کی مدد سے ایک سیاہ بٹن نما آلہ

نکالا... وہ اس کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے... اس کو فوراً جلا دیا
گیا... احتیاطاً انہوں نے ایک بار اور پورے گھر کو چیک کیا... اب
انہیں کوئی آلہ نہ ملا...
تب وہ آگے کو جھک گئے اور سرگوشی کے انداز میں اپنا
پروگرام بتانے لگے۔ پروگرام سن کر ان کے چہرے کھل اٹھے...
ساری اداسی دور ہو گئی۔
دوسرے دن ایک بڑی اور شان دار کار ہوٹل بولان کے
سامنے رکی... بیرے فوراً کار کی طرف لپکے اور کار کے دروازے
کھول کر کار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو اترنے میں مدد دی...
”پرنس آف کوباٹا۔“ اگلی سیٹ سے اترنے والے شخص نے
شاہانہ لباس پہنے شخص کی طرف اشارہ کر کے گویا بیروں کو بتایا...
پچھلی سیٹ سے بہت بارعب صاحب اترے تھے... ان کے ساتھ
ایک ادھیڑ عمر کے آدمی بھی اترے... اور تین بچے... جن میں ایک
لڑکی تھی۔ ان سب کے لباس قیمتی تھے... پرنس کے گلے میں ایک
انتہائی قیمتی ہار لٹک رہا تھا... جو ہیروں کا تھا... ان کی انگلیوں میں بھی
ہیروں کی انگوٹھیاں تھیں... انہیں استقبال کے انداز میں اندر لایا گیا
اور ایک پر تکلف آراستہ ہال میں بٹھایا گیا... وہیں دو کلرک دوڑ کر آ گئے

”ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں۔“
”ہمیں چھ عدد بڑے کمرے چاہئیں۔“ پرنس نے ترنگ سے

کہا۔

"ج... جی... چھ عدد بڑے کمرے... ارے باپ رے" بیرے نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں... کیا بات ہے... کیا آپ کے پاس بڑے چھ کمرے خالی نہیں ہیں۔"

"یہ... یہ بات نہیں سر۔"

"تب پھر... کیا بات ہے؟"

"آپ لوگوں کے لیے تو دو بڑے کمرے بھی کافی ہیں۔"

"بد تمیز..." پرنس نے بھنا کر کہا۔

"ج... جی... کون بد تمیز۔" کلرک نے بوکھلا کر کہا۔

"تم اور کون... تمہیں اس سے کیا کہ ہمارا گزارا کتنے کمروں میں ہو سکتا ہے... ہم نے تم سے چھ کمروں کی بات کی ہے... تم ہمیں چھ کمرے دو۔"

"یس سر... یس سر... کیا میں آپ کو ان کے ریٹ وغیرہ بتاؤں... اور کھانوں وغیرہ کے ریٹ بتاؤں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں... جب بل بن کر سامنے آئے گا... دیکھ لیں گے۔"

"جی بہت بہتر... یہاں دستخط کر دیں... اپنے نام تحریر کر دیں... اور شناختی کارڈز کے نمبر بھی لکھ دیں۔"

"سیکرٹری۔" پرنس نے بارعب انداز میں کہا۔

"یس سر۔" نوجوان آدمی نے فوراً کہا۔

"لکھ دو نام... نمبر وغیرہ۔"

نوجوان نے جلدی جلدی رجسٹر میں خانہ پری کر دی... اب انہیں کمروں تک لشتاں کشتاں لایا گیا...

ان کے کمرے دوسری منزل پر تھے اور ان کے نمبر 1 تا 6 تھے... انہیں پسند آئے۔ بیرے چلے گئے۔

"مروا دیا۔" انسپکٹر جمشید کی سرگوشی ابھری۔

"کک... کس نے... کسے؟" پروفیسر داؤد بولے... جو ادھیڑ عمر کے آدمی کے روپ میں تھے۔

"خان رحمان نے اور کس نے۔"

"ہاں واقعی... یار اتنے کمروں کی کیا ضرورت تھی؟" پروفیسر بولے۔

"حد ہو گئی... شہزادے تو پھر اسی طرح کرتے ہیں۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"لیکن ان کمروں کو کیا ہم چاٹیں گے۔"

"تب پھر... کیا میں ان کلرکوں کو پھر بلاؤں۔" وہ بولے۔

"نہیں... اب رہنے دو... کل بات کریں گے۔"

"لیکن ہمیں یہاں کرنا کیا ہے۔"

"بس کچھ نہیں... کھاؤ پیو... گھومو پھرو... اور آنکھیں کھلی رکھو... ان لوگوں نے ہمیں ہوٹل میں داخل ہونے نہیں دیا تھا

...دیکھ لو۔ اب کس طرح اوپر لے آئے ہیں۔"

"اسے کہتے ہیں... دولت کو سلام۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تب پھر ہم جا رہے ہیں گھومنے پھرنے۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے... ہم نے مرزا الماس بیگ کے گھر میں ان کی آوازیں سنی ہیں... شکلیں بھی دیکھی ہیں... انہوں نے حلیے تبدیل کئے ہوں گے اور آوازیں بھی بدل کر بات کریں گے... لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے... ہم انہیں پہچان لیں گے... اور جونہی ہم انہیں پہچان لیں گے۔ گرفتار کر لیں گے... لہٰذا کھیل ختم ہو جائے گا ان کا۔"

"لیکن اس تیر کا کیا مقصد تھا ابا جان۔"

"تیر پھینک کر وہ صرف یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ یہاں ہمارے مقابلے پر آئے ہیں۔"

"اس کے لیے تو وہ کوئی عام تیر بھی چلا سکتے تھے۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ہاں بات میں وزن ہے تمہاری۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے اور پھر سوچ میں ڈوب گئے... آخر پروفیسر صاحب کی طرف مڑے۔

"پروفیسر صاحب... میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔"

"کس سلسلے میں؟" وہ مسکرائے۔

"اس تیر کے سلسلے میں... کیا وہ محفوظ ہے... اور اب اس سے کوئی خطرہ تو نہیں۔"

"ہرگز نہیں... وہ کیمیکل سے پایا گیا ہے... لیکن زمین میں دفن ہونے کے بعد کوئی خطرہ اس سے نہیں ہے۔"

"بہت خوب!... ہم نیچے جا رہے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"مجھے امید ہے... تم جلد کوئی خوش خبری سنو گے۔" انسپکٹر مسکرائے۔

"اور آپ حضرات۔"

"ہم ذرا آرام کریں گے۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

وہ مسکراتے ہوئے نیچے آگئے اور ہال کی طرف بڑھے... وہ کھانے کا وقت تھا... انہوں نے اپنے لیے ایک دور کی میز پسند کی... جو کونے میں تھی... جلد ہی دو بیرے ان کی میز پر دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے... اور مینو ان کے سامنے رکھ دیا... تاکہ وہ کھانے کا آرڈر دے سکیں...

ایسے میں ایک بھاری بھرکم شخص بہت تیزی سے ان کی طرف آیا اور میز سے ٹکرا کر دھڑام سے گرا۔

پھر وہ

"یار جمشید.... میری طبیعت بہت گھبرا رہی ہے۔" پروف
داؤد نے ان کے جانے کے بعد کہا۔
"اچھی بات ہے... میں ڈاکٹر فاضل صاحب کو فون
ہوں... وہ یہیں آجائیں گے۔"
"غلط سمجھے... بس میں گھبراہٹ محسوس کر رہا ہوں... شا
اس تیر کی وجہ سے۔"
"تو تجربہ گاہ فون کرلیں... خیریت معلوم کرلیں۔" خا
رحمان بول پڑے۔
انہوں نے سوالیہ نظروں سے انسپکٹر جمشید کی طرف د
جیسے کہہ رہے ہوں... کیا خیال ہے اس بارے میں۔"
"کرلیں فون... کوئی حرج نہیں۔" وہ مسکرائے۔
"شکریہ... شکریہ۔"
اب انہوں نے تجربہ گاہ کے نمبر ملائے... ادھر سے ان
نائب کی آواز سنائی دی... وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔
"اوہ سر.. آپ کہاں ہیں.. خدا کے لئے فوراً ادھر آجائیں۔

گاہ میں عجیب و غریب باتیں ہو رہی ہیں۔"
"کیا مطلب... عجیب و غریب باتیں۔" پروفیسر داؤد اچھل

"جی ہاں! میں ان کی وضاحت نہیں کر سکتا... بس آپ فوراً

یک ہے... میں آرہا ہوں... تم فکر نہ کرو۔"
"ممکن نہیں ہے سر۔" اس نے کہا۔
"کیا ممکن نہیں۔"
"یہ کہ میں فکر نہ کروں... جب آپ یہاں آئیں گے تو آپ
مند ہو جائیں گے۔"
"اللہ اپنا رحم فرمائے... کیا یہ سب اس تیر کی وجہ سے

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے... میرا خیال ہے... اس کو
ین سے نکال کر سمندر میں پھینک دینا چاہیے... نہ جانے وہ کیا بلا

"اچھا... میں آرہا ہوں۔" انہوں نے کہا اور فون بند کر کے
ن کی طرف مڑے۔
"کیا خیال ہے جمشید... میں خان رحمان کو ساتھ لے کر
اؤں۔"
"آپ چاہیں تو میں بھی چلتا ہوں۔"

"نہیں... تمہاری یہاں موجودگی ضروری ہے... وہاں میری بھلا کیا مدد کر سکو گے... وہاں تو بس آلات سے جھگڑنا ہوتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے۔

"اچھی بات ہے... آپ ذرا جلدی آنے کی کوشش کیجئے گا... یہاں بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... دو طرفہ چکر چل گیا ہے۔" یہ کہتے ہی وہ باہر نکل گئے... ہال سے گزرنے لگے تو انہیں ایک میز کے گرد بہت سے لوگ جمع نظر آئے... انہوں نے سر اوپر کو کر کے دیکھنے کی کوشش کی کہ نہ جانے کیا مسئلہ ہے... انہیں بھیڑ کے درمیان محمود فاروق اور فرزانہ نظر آئے... غیر ارادی طور پر ان کے قدم اٹھنے لگے... پھر اچانک پروفیسر صاحب کو خیال آیا کہ انہیں تو تجربہ گاہ فوراً پہنچنا ہے... چنانچہ انہوں نے اپنا رخ پھر دروازے کی طرف کر لیا... اور خان رحمان سے بولے۔

"یہاں جو بھی معاملہ ہے... اسے تو یہ لوگ دیکھ ہی لیں گے... کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو جمشید آجائے گا نیچے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

دونوں باہر نکل کر اپنی کار میں بیٹھے اور تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے... ایسے میں ان کے نائب کا فون پھر ملا، وہ گھبرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا:

"سس... سر... جلدی کریں... یہاں کچھ نہ کچھ ہونے والا

ہے... میں اور دوسرے کارکن بہت خوف محسوس کر رہے ہیں۔"

"تب پھر... تم سب تجربہ گاہ کو فوراً چھوڑ دو... باہر نکل آؤ۔"

"بہت بہتر سر... آپ نے یہ کہہ کر ہمارا بوجھ کم کر دیا... ورنہ ہم یہاں اندر رہنے پر مجبور تھے۔"

"نہیں... ایک انسانی جان ایسی دس تجربہ گاہوں سے قیمتی ہے... سب لوگ نکل آئیں... اور جس قدر دور ہو سکتے ہیں... چلے جائیں۔"

"یس سر۔"

"اور باہر نکلنے کے بعد فون پر مجھ سے رابطہ رکھیں... جو نظر آتا ہے... مجھے بتاتے رہیں۔" انہوں نے فکر مند انداز میں کہا۔

"یس سر۔" نائب کی کپکپاتی آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا؟"

"زلزلہ... بہت زبردست زلزلہ۔"

"نکل آئیں... فوراً۔" وہ گرجے۔

پھر انہوں نے بے تحاشہ دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔

"خان رحمان... کیا باہر سڑک پر زلزلے کے آثار ہیں۔"

"نن نہیں... بالکل نہیں... تمام لوگ معمول کے مطابق گاڑیوں میں آجا رہے ہیں... پیدل لوگ معمول کے مطابق ہیں۔"

"اوہ... اوہ... تب پھر تجربہ گاہ میں زلزلہ کیسے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

اچانک فون میں دوڑتے قدموں کی آواز غائب ہو گئی اور ایک پرہول آواز گونجی... ایسی پرہول اور خوفناک آواز انہوں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

"یہ... یہ کیسی آواز ہے... میرا دم باہر کو نکلا جا رہا ہے۔" پروفیسر داؤد بیٹھی ہوئی آواز میں بولے۔

"لائیے... میں سن کر دیکھتا ہوں۔" خان رحمان گھبرا گئے۔

انہوں نے سیٹ خان رحمان کو دے دیا... جونہی انہوں نے اس کو کان سے لگایا... زور سے اچھلے۔ گاڑی کنٹرول سے باہر ہو گئی... تاہم فوری طور انہوں نے سیٹ گود میں گرا کر سٹیرنگ سنبھال لیا... سیٹ کو پروفیسر داؤد نے اٹھا لیا۔

"کیا ہوا خان رحمان۔"

"ہم... میں اس آواز کو نہیں سن سکتا... کان کے پردے پھٹتے محسوس ہو رہے ہیں۔"

"ہاں... یہی بات ہے... اور... اور میرے ماتحتوں کی آواز نہیں سنائی دے رہی... پتا نہیں وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"میں بھی خوف محسوس کر رہا ہوں پروفیسر صاحب۔"

"ہم... ہم کیا کر سکتے ہیں... سوائے اس کے... کہ جلد از جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔" پروفیسر بے چارگی کے عالم میں بولے۔

فون پر آواز بدستور آ رہی تھی... لیکن اچانک وہ بھی بند ہو گئی...

"ادھر کا سیٹ بند کر دیا گیا... یا وہ خود بند ہو گیا خان رحمان۔"

"خوف ہر لمحے بڑھ رہا ہے... ہر لمحے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

اور پھر وہ برق رفتاری سے کار چلاتے آخر تجربہ گاہ کے پہنچ گئے... انہوں نے اپنی زندگی کا ہولناک ترین منظر دیکھا...

تجربہ گاہ آگ کی لپیٹ میں تھی... اس قدر زبردست آگ کی لپیٹ میں کہ اگر اس وقت فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی آ جاتیں... تو بھی وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں...

"اف مالک... یہ کیا ہوا... ہم... میرے نائب... کہاں ہیں خان رحمان میرے نائب۔" وہ درد بھرے انداز میں بولے۔

"حوصلہ رکھیں پروفیسر صاحب... حوصلہ... اگر ان کا وقت آ گیا تھا تو ہم یہاں ہوتے ہوئے بھی انہیں بچا نہیں سکتے تھے..."

"نن نہیں۔" وہ چلائے۔

تجربہ گاہ کے چاروں طرف ہزارہا لوگ موجود تھے... اور بالٹیاں بھر بھر کر پانی پھینک رہے تھے... لیکن ان بالٹیوں سے اس آگ کا بال بھی بیکا نہیں ہو رہا تھا۔ پھر فائر بریگیڈ والے وہاں پہنچ گئے... انہوں نے اپنا کام شروع کیا... لیکن ان کی تمام تر کوششیں بھی تجربہ گاہ کا کوئی حصہ نہ بچا سکیں... وہ راکھ کا ڈھیر بن گئی... پروفیسر داؤد پھٹی

پھٹی آنکھوں سے سب دیکھتے رہے... خان رحمان کا بھی برا حال تھا... ایسے میں انھوں نے پروفیسر داؤد کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے۔

"آپ رو رہے ہیں پروفیسر صاحب۔"

"ہاں... میں رو رہا ہوں... روؤں نہ تو کیا کروں... میرے اسسٹنٹ میرے بچوں کی طرح تھے۔"

"ہو سکتا ہے... وہ آگ لگنے سے پہلے باہر نکل آنے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔"

"نہیں خان رحمان... دوڑتے قدموں کی آواز کے فوراً بعد تو ہولناک آواز سنائی دینے لگی تھی۔"

"اف مالک۔" ان کے منہ سے نکلا۔

کئی گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد آگ بجھ سکی... لیکن اس وقت تک تجربہ گاہ کا کچھ حصہ بھی نہیں بچا تھا... سرکاری اور غیر سرکاری لوگ... ملبہ ہٹانے لگے... تاکہ دیکھ سکیں... ملبے کے نیچے لاشیں ہیں یا نہیں...

ملبہ ہٹایا جاتا رہا... آئی جی صاحب اور دوسرے بہت سے سرکاری آفیسر اب وہاں آ چکے تھے... ان سب کے لیے ایک میدان میں خیمہ تان دیا گیا تھا... پروفیسر اور خان رحمان صاحب کو بھی وہ لوگ وہیں لے آئے تھے۔ پروفیسر داؤد بہت نڈھال تھے.. انہیں اپنے ساتھیوں کا رہ رہ کر خیال ستا رہا تھا... سب آفیسر انہیں دلاسہ دیتے رہے .. لیکن ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو نہ رکے...

اچانک ایک کارکن دوڑتا ہوا خیمے میں داخل ہوا... سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"سس... سر... سر... وہ... وہ تیر۔"

پروانہ کرو

"ارے ارے... یہ کیا ہوا... بڑے میاں سنبھل کر۔"

تینوں گھبرا گئے... محمود اور فاروق فوراً اسے اٹھانے کے لیے جھکے اور پھر لرز اٹھے... اس کی کمر سے خون فوارے کی طرح ابل رہا تھا... گویا کسی نے اس پر بے آواز فائر کیا تھا...

ان کے ہاتھ پیر پھول گئے... فوری طور پر انھوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں... لیکن کوئی ایسا دشمن نظر نہ آیا... جس پر گولی چلانے کا شک کیا جا سکتا... ایسے میں کچھ لوگ چلا اٹھے:

"خ... خون... خون... خون کر دیا۔"

"کیا!!!" اور بہت سے لوگ چیخ اٹھے...

پھر لوگ ان کی طرف دوڑ پڑے... عین اس لمحے ایک بھاری بھر کم آواز گونجی:

"خبردار... ہاتھ اوپر اٹھا دو... فرار ہونے کی کوشش کی تو گولی مار دی جائے گی۔" وہ چونک اٹھے... ان کے سامنے ایک بھاری بھر کم آدمی کھڑا تھا۔

"وہ کیوں جناب... میرا مطلب ہے... ہم کیوں فرار ہوں

گے۔"

"قتل کرنے کے بعد قاتل پہلا کام جائے واردات سے فرار ہونے کا کرتا ہے۔"

"یہ قتل ہم نے نہیں کیا جناب... آپ ان دونوں سے پوچھ سکتے ہیں... ہم میز پر آکر بیٹھے ہی تھے کہ یہ دونوں آ گئے اور انھوں نے مینو ہمارے سامنے رکھا ہی تھا کہ یہ صاحب دوڑتے ہوئے ہماری طرف آئے... نزدیک آتے ہی گر پڑے... ہم سمجھے... انھیں ٹھوکر لگی ہے... لہٰذا انھیں اٹھانے کے لیے کھڑے ہو گئے... اس وقت ہم نے دیکھا کہ ان کی کمر سے خون ابل رہا ہے۔"

"کیوں... کیا ان کا بیان درست ہے۔"

"ہم صرف اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ یہ ابھی ابھی آئے تھے... ہم ان کے قریب آ گئے... مینو ان کے سامنے رکھا ہی تھا کہ یہ صاحب بھاگتے ہوئے آئے اور نزدیک آتے ہی گر پڑے... لیکن انھوں نے فائر کیا یا نہیں... اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"اوہ! تب تو ہم انھیں گرفتار کر سکتے ہیں... پولیس کو فون کر دو بھئی... کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔" بھاری بھر کم آدمی نے بیروں کو گھورا۔

"لیکن جناب! آپ نے غور نہیں کیا۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"کس بات پر غور نہیں کیا؟" وہ تنک کر بولا۔

"یہ ہماری طرف دوڑ کر آ رہے تھے... غالباً اس وقت یہ زندہ

تھے... ٹھیک ہے نا... یا اس وقت فوت ہو چکے تھے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"آپ پاگل ہیں کیا۔"

"جی نہیں... اللہ کی مہربانی سے ہم پاگل نہیں ہیں۔"

"بہت خوب! تو پھر جب یہ دوڑ کر آ رہے تھے... اس وقت فوت کیسے ہو چکے تھے... فوت یہ بعد میں ہوئے... جب آپ نے گولی ماری انہیں۔"

"جی نہیں... اگر یہ اس وقت زندہ تھے... جب یہ دوڑ رہے تھے... اور ہمارے نزدیک آنے پر انہیں گولی ماری گئی تو پھر گولی ہم نے نہیں چلائی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"پہلے تو آپ یہ بتائیں... آپ ہیں کون؟"

"میں اس ہوٹل کا ہیڈ بیرا ہوں۔"

"تو جناب ہیڈ بیرا صاحب۔"

"ایک منٹ... تم گئے نہیں پولیس کو فون کرنے کیلئے۔" یہ الفاظ اس نے گرج کر ادا کیے۔

"اوہ... سوری سر۔" دونوں ایک ساتھ بولے اور وہاں سے دوڑ لگا دی۔

"احمق کہیں کے... ایک نہیں جا سکتا تھا اس کام کے لیے۔" اس نے جھلا کر کہا اور پھر ان کی طرف مڑا۔

"ہاں جناب آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"ہم کہہ رہے تھے جناب ہیڈ بیرا صاحب... اگر اس شخص پر گولی ہم نے چلائی ہوتی... تو گولی اس کے سینے پر لگی ہوتی... لیکن گولی تو اس کی کمر پر لگی ہے۔"

"اوہ... اوہ۔" ہیڈ بیرا دھک سے رہ گیا... اسے کوئی جواب نہ بن سکا... آخر بولا۔

"اس کا فیصلہ اس وقت کیسے کیا جا سکتا ہے... ہو سکتا ہے گولی آر پار نکل گئی ہو۔"

"اگر گولی آر پار نکل گئی ہے... تب اس کے پیٹ میں بھی سوراخ ہونا چاہیے۔"

ہیڈ بیرے کو ایک جھٹکا لگا.. اس نے انہیں گھور کر دیکھا.. پھر برا سا منہ بنا کر بولا۔

"اب اس کا فیصلہ علاقے کے پولیس آفیسر کریں گے۔"

"ضرور جناب... کیوں نہیں۔" فاروق نے کندھے اچکائے

پھر وہاں پولیس آ گئی... پولیس افسر نے ساری بات سنی... وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو پہچانتا نہیں تھا... پہچانتا ہوتا، تب بھی نہ پہچانتا... اس لیے کہ وہ اس وقت میک اپ میں تھے...

"ہو سکتا ہے... یہ تینوں بالکل بے گناہ ہوں... لیکن بہر حال اس بات کا امکان بھی ہے... کہ مجرم یہی ہوں... لہٰذا انہیں پولیس اسٹیشن لے جا کر پوچھ گچھ تو کرنا پڑے گی۔"

"ہرگز نہیں۔" فاروق نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب... ہرگز نہیں؟" آفیسر نے سوالیہ انداز میں کہا

"ہمارا اس مسئلے میں کوئی قصور نہیں..."

"تفتیش کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔

"ابھی آپ نے قتل کا آلہ تلاش نہیں کیا... ہم یہاں سے کہیں چلے تو نہیں گئے... آپ ہماری تلاشی کیوں نہیں لے لیتے۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"واہ... بہت معقول بات کہی۔" ایک آواز ابھری۔

انہوں نے آواز کی طرف دیکھا... وہ ایک لمبے قد کا دبلا پتلا آدمی تھا... اس کی آنکھوں میں عجیب سی شرارت ناچ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" پولیس آفیسر اس کی طرف الٹ پڑا۔

"ان کی تلاشی لے لیں آپ... یہ واقعی یہاں سے کہیں نہیں گئے... اگر انہوں نے فائر کیا ہے... تو پستول یا تو ان میں سے کسی کی جیب سے مل سکتا ہے... یا پھر میز کے نیچے سے..."

"آپ کی تعریف؟"

"میں مائیکل ہوں... اس میز پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا کہ یہ واقعہ ہو گیا... لہٰذا میں چشم دید گواہ ہوں۔"

"بہت خوب... تلاشی لو ان کی۔"

ایک پولیس مین آگے بڑھا... پہلے اس نے فاروق کی تلاشی لی... پھر محمود کی طرف بڑھا۔ دونوں کی جیبوں میں سے کچھ نہ نکلا...

اب وہ فرزانہ کی طرف بڑھا۔

"خبردار... ان کی تلاشی کے لیے لیڈی پولیس بلائی جائے۔"

"واہ... یہ انہوں نے اور اچھی بات کہی۔" مائیکل ہنسا۔

"کیا مطلب..."

"ظاہر ہے... خواتین کی تلاشی خواتین لے سکتی ہیں۔"

"لیکن یہ تو ابھی کم عمر ہیں۔"

"تو کم عمر لڑکی بلا لیں۔" مائیکل نے ہنس کر کہا۔

"آپ خاموش رہیں... اور ہاں... پہلے ہم میز کے نیچے کیوں نہ دیکھ لیں۔"

یہ کہہ کر وہ جھکا اور پھر زور سے اچھلا...

"ارے! یہ رہا پستول۔"

"کیا!!!" تینوں چلا اٹھے۔

"ہاں! دیکھ لیں... یہ رہا پستول۔" یہ کہہ کر پولیس آفیسر نے پستول اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"خبردار! آپ اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔"

"تو کیا اسے پیر سے اٹھاؤں۔"

"نہیں... اس پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

انسپکٹر کا چہرہ تن گیا... تاہم وہ کچھ کہہ بھی نہ سکا... کیونکہ وہاں اب ارد گرد بہت لوگ کھڑے تھے...

"ٹھیک ہے... میں رومال سے اٹھا لیتا ہوں۔"

"ہر گز نہیں..." محمود چلا اٹھا۔

"کیا ہر گز نہیں..."

"آپ اس کو رومال سے بھی نہیں اٹھا سکتے... یہ قاتل کے خلاف بہترین ثبوت ہے۔"

"او ہو تو کیا میں ثبوت کو ضائع کر دوں گا۔"

"جی ہاں! اس کا امکان ہے۔"

"کیا!!!" وہ پوری قوت سے دھاڑا... ہال جھنجنا اٹھا... اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"گرفتار کر لو..."

یہ کہہ کر اس نے پھر رومال کے بغیر ہاتھ پستول کی طرف بڑھایا۔

"خبر دار..." ایک سرد آواز ابھری... کوئی لوگوں کو ہٹا کر آگے آ گیا... اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔

"آپ کی تعریف؟" انہوں نے تلملا کر کہا۔

"آپ بالکل غیر قانونی طریقہ اختیار کر رہے ہیں اور ان لوگوں کو بلاوجہ گرفتار کرنا چاہتے ہیں... جب آلہ قتل یہاں موجود ہے... تو پریشانی کیا... اس پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھا لیتے ہیں.. معلوم ہو جائے گا... یہ قتل کس نے کیا ہے... اگر ان لوگوں میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات مل گئے تو شوق سے ان تینوں کو گرفتار کر لیجیے گا... ورنہ پھر ہوٹل میں قاتل کو تلاش کرتے پھریے گا۔"

"آپ ہیں کون... پستول پر انگلیوں کے نشانات اٹھانے کے لیے بھی تو اس کو اٹھا کر لیبارٹری بھیجنا پڑے گا۔"

اب وہ زمانے گئے... اب تو ہتھیلی پر سرسوں جمتی ہے.. چٹ منگنی پٹ بیاہ ہوتا ہے.. ہینگ لگے نہ پھٹکری.. رنگ چوکھا آتا ہے۔"

اپنے والد کو اس طرح محاورے پر محاورے بولتے سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئے... ان کے انداز کی شوخی نے انہیں چونکا کر رکھ دیا.. یہ انداز ان کا اس وقت ہوتا تھا... جب وہ مجرم پر ہاتھ ڈالنے والے ہوتے تھے... اور پھر وہاں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی... انہوں نے نظریں اٹھائیں تو اکرام اپنے ماتحتوں کے ساتھ چلا آ رہا تھا... ان کے ہاتھوں میں پستول تھے اور جسموں پر خفیہ پولیس والی وردیاں تھیں... ان وردیوں کو دیکھ کر انسپکٹر کے ہوش اڑتے نظر آئے۔

"خبردار... آپ لوگ ایک طرف ہو جائیں... یہیں اس جگہ پستول پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے جائیں گے۔"

"نن نہیں... نہیں۔" انسپکٹر نے چیخ کر کہا۔

"کیوں بھائی... آپ کو کیا ہو گیا... کیا آپ صرف اور صرف ہمیں گرفتار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"نن نہیں... نہیں۔" وہ پھر چیخا۔

اکرام کے ماتحتوں نے میز ہٹا کر اپنا کام شروع کر دیا.. لوگوں کو پیچھے ہٹا دیا گیا... جلد ہی نشانات انسپکٹر جمشید کے سامنے رکھ دیے گئے...

"اب ان انسپکٹر صاحب کے نشانات لے لو۔"

"نن نہیں.. نہیں۔" وہ چیخا.. اس کا رنگ بالکل اڑتا نظر آیا۔

"جی... کیا... کیا مطلب...؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"گولی اس نے چلائی تھی... میز کے نیچے پستول بھی اس نے پھینکا تھا۔"

"آپ.. آپ کو کیسے پتا چلا... آپ تو اپنے کمرے میں تھے۔"

"نہیں... تم لوگوں کے نکل آنے کے بعد میں بھی ادھر آگیا تھا... اور ایک کونے میں بیٹھ گیا تھا... میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی... اس کے ساتھ ایک اور دوڑا۔

"ارے ارے... وہ بھاگ رہے ہیں۔" محمود چلایا۔

"پروا نہ کرو... ابھی واپس آجائیں گے..." انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

وہ سمجھ گئے کہ ہوٹل کو پہلے سے گھیرے میں لیا جا چکا ہے... اور واقعی جلد ہی ان دونوں کو گرفتار کر کے لایا گیا... ان کی انگلیوں کے نشانات لیے گئے... انسپکٹر کی انگلیوں کے نشانات پستول پر پائے جانے والے نشانات سے مل گئے...

ایسے میں ان کے موبائل کی گھنٹی بجی... دوسری طرف کا فون سن کر انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے۔

گرفتار

"پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ تباہ ہو گئی... اس میں کام کرنے والے لوگ بھی مارے گئے۔"

"نن نہیں... نہیں۔" وہ چیخ اٹھے... ان کے چہرے پر رنج پھیل گیا۔

"آخر ہم کامیاب ہو گئے۔" انسپکٹر نے فخر کے عالم میں کہا۔

"کیا مطلب... تم کامیاب ہو گئے۔"

"ہاں! یہ منصوبہ تھا ہمارا ان کی تجربہ گاہ کو اڑانے کا..."

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

"ہاں... وہ تیر تو خیر انشارجہ نے بھجوایا تھا... کام ہمارے ذریعے کیا جاتا تھا... پروگرام تھا کہ انسپکٹر جمشید کے دروازے پر تیر مارا جائے گا... تیر کی حقیقت جاننے کے لیے آخر کار اس کو تجربہ گاہ یہ لوگ لے کر جائیں گے ہی... اور اس طرح وہ تیر تجربہ گاہ کو تباہ کر دے گا.. وہ ایک طرح کا ایٹم بم ہے... ایٹم بم... ایک بہت ننھا منا بم... اب ایک طرف تو تجربہ گاہ تباہ کی گئی... دوسری طرف اس شہر میں اب تابکاری اثرات پھیل گئے ہیں... جن کے اثرات جلد نظر

آنے لگیں گے۔"

"نن نہیں... نہیں۔" وہ چلائے۔

انہوں نے فوراً پروفیسر صاحب کے نمبر ملائے... ان کی آواز سن کر بولے۔

"آپ کی تجربہ گاہ اس تیر کے ذریعے تباہ کی گئی ہے۔"

"ہاں جمشید۔" ادھر سے انہوں نے کہا۔

"جی کیا کہا... ہاں جمشید۔" وہ حیران ہو کر بولے۔

"ہاں! یہ بات یہاں معلوم ہو گئی ہے... اس تیر کا پھل ملبے سے ملا ہے... لیکن باقی حصہ نہیں ملا... پھل سے جو روشنی نکل رہی ہے... اس نے مجھے بتا دیا ہے... یہ کام اس تیر کا تھا... وہ ایک ننھا منا سا ایٹم بم تھا..."

"اور اب یہاں تابکاری اثرات۔"

"ہاں میں جانتا ہوں... اور تیر کی حقیقت معلوم ہوتے ہی میں حرکت میں آ چکا ہوں... تم فکر نہ کرو..... ان شاء اللہ تابکاری اثرات نہیں پھیلیں گے۔"

"اوہ... خدا کا شکر ہے..." وہ بولے۔

"لیکن جمشید... تجربہ گاہ... اور میرے ماتحت۔" انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں پروفیسر صاحب... ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔" انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اور سب سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ مجرم آزاد ہیں۔"

"نہیں پروفیسر صاحب... مجرم گرفتار ہیں۔"

"کیا... کیا کہا..."

"آپ یہاں آ کر دیکھ لیں۔"

"نہیں جمشید... میں اس ملبے کے پاس سے نہیں ہٹ سکتا... اس ملبے میں میرے ماتحتوں کی لاشیں دبی ہوئی ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے... لیکن بے فکر ہو جائیں... ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔"

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے۔

"اکرام... انسپکٹر صاحب کے چہرے سے ذرا میک اپ اتار دو... تاکہ معلوم ہو... یہ کون صاحب ہیں..."

"یس سر۔"

اس کے ماتحتوں نے اب اس کے چہرے پر کام شروع کیا... اس کے ساتھی کے چہرے پر بھی کام شروع کیا...

پھر جونہی دوسرے چہرے نمودار ہوئے... ہوٹل کے بیرے اور دوسرا عملہ چلا اٹھا۔

"ارے یہ کیا... یہ تو ہمارے منیجر اور نائب منیجر بابر سوڈانی اور شہزاد کھوڑو ہیں۔"

"بھئی واہ... پھر تو مزا ہی آ گیا۔"

"مزا تو ابھی اور آئے گا... جب اس ہوٹل میں بم کا دھماکا ہوگا۔"

ایک سرد آواز ابھری... آواز عورت کی تھی... وہ آواز کی طرف مڑے... سٹیج پر دو عورتیں کھڑی نظر آئیں... ان میں سے ایک کے ہاتھ میں بم تھا...

"یہ... یہ کون ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان کی بیویاں۔" بیرے چلائے۔

اب باقیوں کے چہروں پر خوف ہی خوف تھا...

"اگر ہوٹل تباہ ہوا تو کیا تم بچ جاؤ گی۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"کوئی پروا نہیں... ہم تو ویسے بھی ختم ہو گئے... ہمیں کون سا پھانسی سے کم سزا ہوگی۔" وہ عورت بولی... جس کے ہاتھ میں بم تھا۔

"اور یہ ٹائم بم ہے... اس میں ٹائم سیٹ کر دیا گیا ہے... صرف ایک منٹ رہ گیا ہے اس کے پھٹنے میں..."

"تت... تم... تم پاگل ہو..." کئی لوگ چلائے۔

"اگر سب لوگ ہوٹل خالی کر دیں اور یہ لوگ ہمارے شوہروں کو بھی چھوڑ کر باہر نکل جائیں تو بم نہیں پھٹے گا۔" دوسری بولی۔

"دوڑو۔" لوگ چلائے۔

سب لوگ بے تحاشہ دروازے کی طرف دوڑ پڑے... لیکن وہ لوگ وہیں کھڑے رہے...

"ارے... تم نہیں بھاگے۔" عورت چلائی۔

"نہیں... کیا کریں گے بھاگ کر۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے باہر موجود ماتحتوں کو اشارہ کیا کہ تمام دروازے بند رکھیں جائیں۔ لوگ دروازے پر پہنچ کر رک گئے... اور لگے چلانے۔

دروازہ کھولو... دروازہ کھولو... بم پھٹنے والا ہے۔"

"نہیں پھٹے گا۔" انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"نہیں پھٹے گا... کیا نہیں پھٹے گا۔" لوگ چلائے۔

"جو لوگ بات بات پر دوسروں کو موت کے گھاٹ اتارتے ہیں... وہ انتہائی بزدل ہوتے ہیں... وہ خود کو اپنے ہاتھوں بموں سے نہیں اڑا سکتے۔"

"کک... کیا... کیا۔" لوگ پھر چلائے... اور وہ چاروں بھی۔

"ہاں! ورنہ ایک منٹ تو پورا ابھی ہو چکا... بم کیوں نہیں پھٹا۔"

"اوہ... اوہ... بم کیوں نہیں پھٹا۔"

"ہو سکتا ہے... بم نقلی ہو۔" کسی نے کہا۔

"جی نہیں... بم سو فیصد اصلی ہے... ان لوگوں میں اپنی جان دینے کی ہمت نہیں ہے... یہ لوگ صرف دوسروں کی جان لے سکتے ہیں... اکرام آگے بڑھ کر ان سے بم لے لو۔"

"ارے باپ رے۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"ڈر گئے انکل۔" فاروق ہنسا۔

"ڈرا نہیں... ڈرنے کی نقل کر رہا تھا۔" اکرام مسکرایا اور ان کی طرف بڑھ گیا۔

ان کے رنگ واقعی اڑے ہوئے تھے... جسموں میں کپکپی تھی... اکرام نے بم رومال میں لے لیا... اس کے ماتحتوں نے ان دونوں کو بھی گرفتار کر لیا...

"افسوس... اس تیر کی حقیقت کا دیر سے پتا چلا... تجربہ گاہ اور پروفیسر صاحب کے ماتحتوں کے شہید ہونے کے بعد۔" انہوں نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"گویا یہ چاروں انشارجہ کے ایجنٹ ہیں۔"

"ہاں! انہیں یہاں بھی انشارجہ نے بنا کر دیا ہے... تاکہ یہ عیش بھی کرتے رہیں... اور ان کے لیے کام بھی کرتے رہیں... ویسے یہ کچھ زیادہ ہی شکنجے میں آگئے تھے۔ ورنہ مرزا الماس کے گھر سے یہ کامیابی سے فرار ہو گئے تھے... اگر خاموش رہتے تو ہمیں شاید ان تک پہنچنے میں کافی مشکلات پیش آتیں۔"

"اوہ... خدا کا شکر ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی... آخر یہ غیر مسلم طاقتیں ہر وقت ہمارے خلاف پروگرام کیوں ترتیب دیتی رہتی ہیں۔"

"یہ اسلام کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں... کیونکہ اسلام ان کی موت کا نام ہے..." انسپکٹر جمشید نے اداس انداز میں مسکرا کر کہا۔

"لیکن یہاں اس بے چارے کو ہلاک کرنے کی کیا ضرورت تھی... اور یہ شخص کون تھا۔"

"یہ ان کا کوئی ماتحت تھا... اس وقت ان کے پروگرام کا اندازہ مجھے بھی نہیں تھا... اسے ان لوگوں نے ہدایت دی کہ یہ دوڑ کر ان لوگوں کی طرف آئے... اب اس بے چارے کو نہیں معلوم تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں... بس جونہی وہ دوڑ کر تم لوگوں کے پاس پہنچا... اس نے فائر کر دیا... تاکہ یہاں سے تم لوگوں کو گرفتار کر کے لے جایا جائے... تمہیں گرفتار کر کے... کسی تھانے میں تو لے نہ جاتے... کوئی اور جگہ انہوں نے مقرر کر رکھی ہو گی... پھر اس طرح یہ ہمیں وہاں پہنچاتے... لیکن افسوس... ان کی دال گلی نہیں۔"

"اور ابھی ہمیں پروفیسر صاحب کے پاس بھی جانا ہے... وہ بہت غمگین ہوں گے۔"

"ہاں... آؤ چلیں... یہاں کا باقی کام اکرام مکمل کر لے گا۔"